نذرِ اقبال



سرجیت سنگھ لانبہ

نذرِ اقبال

سرجیت سنگھ لانبہ

اقبال اکادمی پاکستان

ناشر

محمد بخش سانگی

ناظم

اقبال اکادمی پاکستان

حکومت پاکستان

قومی تاریخ وادبی ورثہ ڈویژن

وزارتِ اطلاعات، نشریات، قومی تاریخ وادبی ورثہ

چھٹی منزل، ایوان اقبال کمپلیکس، ایجرٹن روڈ، لاہور

Tel: 92-42-36314510, 99203573

Fax: 92-42-36314496

Email: info@iap.gov.pk

Website: www.allamaiqbal.com

ISBN: 978-969-416-528-8

طبع اوّل	:	۲۰۱۸ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	-/۳۶۰ روپے
		۱۲ / امریکی ڈالر
مطبع	:	عدن پرنٹرز لاہور

محل فروخت: ۱۱۶-میکلوڈ روڈ، لاہور فون نمبر 37357214

انتساب

اس آفتاب علم

'اقبال کے نام'

جن کا اسمِ گرامی میرے لیے عقیدت،

جن کا مزارِ مقدّس میرے لیے زیارت

اور

جن کا کلامِ محبت میرے لیے عبادت کا درجہ رکھتا ہے

اور

بے پناہ عشق و محبت کی بنا پر جن کا 'روحانی بیٹا'

ہونے کا شرف میرے لیے باعثِ فخر ہے

فہرست

التجائے مولف	۹	خضر برنی	۴۸
قطعہ تاریخ وفات	۱۱	جسٹس ایس اے رحمان	۵۰
اکبر الٰہ آبادی	۱۲	عرش ملسیانی	۵۳
علامہ عبداللہ عبادی	۱۳	شورش کاشمیری	۵۴
فیض احمد فیض	۱۴	خواجہ دل محمد	۵۶
علی سردار جعفری	۱۵	علامہ جمیل مظہری	۵۸
احسان دانش	۱۶	حفیظ ہوشیار پوری	۶۱
رئیس امروہوی	۱۹	مولانا ظفر علی خاں	۶۶
ماہر القادری	۲۴	میر سکندر علی وجد	۶۷
تلوک چند محروم	۲۸	رام کرشن مضطر	۷۱
احمد ندیم قاسمی	۳۲	گلزار دہلوی	۷۴
مخدوم محی الدین	۳۸	رِشی پٹیالوی	۷۷
ساغر نظامی	۳۹	ڈاکٹر فضل امام	۷۹
حفیظ جالندھری	۴۳	مومن خاں شوق	۸۰
آل احمد سرور	۴۵	ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۸۱

فارغ بخاری ۸۹
مخمور جالندھری ۹۳
روشن دین تنویر ۹۴
حسرت موہانی ۱۰۰
جگن ناتھ آزاد ۱۰۱
حرمت الاکرام ۱۰۵
مظفر وارثی ۱۰۷
احسن مارہروی ۱۰۸
میر غلام بیگ نیرنگ ۱۱۰
کشور ناہید ۱۱۲
اسد ملتانی ۱۱۳
ظفر صہبائی ۱۱۴
نوبہار صابر ۱۱۶
علی منظور حیدرآبادی ۱۱۹
صابر نیازی ۱۲۴
برج لال رعنا جگی ۱۲۶
حیات وارثی ۱۲۸
بدیع الزماں خاور ۱۳۰
قمر جلال آبادی ۱۳۲
خورشید رضوی ۱۳۴
فرحت قادری ۱۳۵
بیکل اتسامی ۱۳۹
بدرالدین قیصری ۱۴۰
ادیب مالیگانوی ۱۴۱
سلطان احمد شہباز صدیقی ۱۴۳
صغیر جعفری ۱۴۸
طفیل ہوشیارپوری ۱۵۱
مظفر حسین شمیم ۱۵۴
سراج الدین ظفر ۱۵۵
سیف زلفی ۱۵۷
بشیر النساء بیگم بشیر ۱۵۸
لطیف النساء بیگم ۱۶۴
حیات لکھنوی ۱۶۷
ڈاکٹر سلام سندیلوی ۱۶۸
ظہیر غازی پوری ۱۷۰
محمد اسماعیل مسلم ۱۷۳

اکبر لاہوری ۱۷۵
فضا جالندھری ۱۷۶
محمد یحییٰ اعظمی ۱۷۸
بسمل دہلوی ۱۸۰
سرور اکبر آبادی ۱۸۲
اختر ہوشیار پوری ۱۸۴
حفیظ بنارسی ۱۸۶
نرسنگھ راج عالی ۱۸۸
نقش ہاشمی ۱۸۹
رانا بھگوان داس بھگوان ۱۹۲
مجازی لکھنوی ۱۹۴
ڈاکٹر سید صفدر حسین ۱۹۵
عبد المتین نیاز ۱۹۸
بشر افغانی ۲۰۰
عبد الرحمن برنی ۲۰۲
کاشی پریاگی ۲۰۴
علی اختر اختر ۲۰۶
اقبال ماہرانہ آبادی ۲۱۰
علی احمد جلیلی ۲۱۳
منیر واحدی ۲۱۶
ظہیر احمد ظہیر ۲۲۱
حامد علی خاں ۲۲۳
میر محمد علی خاں میکش ۲۲۴
اظہر احمد کمالی ۲۲۶
ملک منظور حسین منظور ۲۲۹
عبد القیوم خان باقی ۲۳۱
محمد غالب اثر ۲۳۴
نخشب جارچوی ۲۳۵
تصدق حسین خالد ۲۳۷
عظیم حیدر آبادی ۲۳۸
کاوش حیدر آبادی ۲۴۰
معین الدین بزمی ۲۴۲
سیّد غلام کنانی ۲۴۴
رضا مظہری ۲۵۱
علقمہ شبلی ۲۵۲
واحد پریمی ۲۵۳

حکیم احمد حسن صبوحی بستوی ۲۵۴

محمد نعیم صبا ۲۵۵

شاہد کلیم ۲۵۶

شاہد ساگری ۲۵۷

ضیاہانی ۲۶۱

التجائے مولف

آج سے تقریباً ۳۰ سال قبل پوری محنت، لگن اور عزم کے ساتھ 'نذرِ اقبال' کی کتابت کا آغاز کیا گیا تھا۔ برصغیر کے مشہور و معروف شعرا سے ذاتی رابطے قائم کر کے اور مختلف رسائل کے مطالعہ کے بعد اس مواد کو اکٹھا اور یکجا کرنے کی تکمیل ممکن ہو سکی۔ ہزاروں روپے خرچ کرنے کے باوجود بھی اس کتاب کو منظرِ عام پر لانا ممکن نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے بھی ۱۹۷۸ء میں اس کتاب کے لیے پیغام ارسال فرمایا تھا۔

اب ۲۰۱۱ء میں اس تمام نایاب علمی ذخیرے کو دوبارہ یکجا کر کے اقبال اکیڈمی کے تعاون سے اہلِ اردو کی تشنگی کو بجھانے کے لیے یہ بے بہا گلدستہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ برادرِ عزیز سہیل صاحب اور اقبال اکادمی کے تمام ارکان کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو خدمت اقبال کے لیے وقف کر رکھا ہے اور اس کتاب کی اشاعت سے نہ صرف میری خواہش کا احترام کیا بلکہ میری التجا کو قبول کر کے اہلِ علم کے قلوب کو منوّر کیا ہے۔

میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقیدت مند ہوں جن کے مقدس قدموں کی خاک میرے لیے تبرک کا درجہ رکھتی ہے۔ اقبال کا قاری ہوں۔ اس کا پجاری ہوں جنہوں نے اپنے کلام سے زلفِ دوشیزہ اردو کو سنوارا تھا۔ قلبِ اقبال زمانے کے درد سے لبریز تھا اور میرا دل کلامِ اقبال سے لبریز ہے۔ وہ کلام جو نغمۂ توحید ہے، پیغام رسالتمآب کی تفسیر ہے۔ کلامِ اقبال قرآن پاک کا ترجمان ہے اور قرآن پاک اللہ کا نور ہے جس سے ہم سب اپنی شمع فکر روشن کرتے ہیں۔

آخر میں اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ 'اردو' کا ایک ادنی سپاہی ہونے کی بنا پر اس کتاب کی اشاعت سے خدمتِ اردو کا جو موقع مجھے ملا ہے وہ میرے لیے باعث مسرت ہی نہیں بلکہ باعثِ فخر بھی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کتاب کی تعریف کے مستحق وہ شعرا حضرات ہیں جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے بار گاہِ اقبال میں گلہائے عقیدت پیش کر کے اپنی محبت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ بقول اقبال: 'قطرۂ خونِ جگر سِل کو بناتا ہے دِل'

مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ اہلِ ادب اور عاشقان اقبال اس علمی اور ادبی گلستان کے پھولوں کا خیر مقدم کریں گے اور ان کی مہک سے اپنے دل و دماغ کو معطر اور منور کر سکیں گے۔

مری کوشش کو سراہو، میرے ہمراہ چلو
میں نے اِک شمع جلائی ہے، ہواؤں کے خلاف

نیاز مند
سُرجیت سنگھ لانبہ

قطعہ تاریخ وفات

کون لائے گا اب پیام سروش!
اے دل اقبال ہو گیا روپوش
"شمع خاموش" سال ہجری ہے
۱۳۵۷ھ
عیسوی، "شمع شاعری خاموش"
۱۹۳۸ء

اقبال

اکبر الہ آبادی

حضرت اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جو اُن کے طرز کی شیدا ہوئیں
اس کی شاہد کہ ہیں اُن کے والدین ابرار تھے
باخدا تھے، اہل دل تھے، صاحبِ اسرار تھے

اقبال

علامہ عبد اللہ عبادی

تجھ پہ اے لاہور! نازل ہوں خدا کی رحمتیں
اے کہ تو اقبال کی دَولت سے مالا مال ہے
ہم نے مانا تو نہیں مسحورِ تہذیب فرنگ
تجھ میں سب کچھ ہے اگر اسلام اور اقبال ہے

اقبال

فیض احمد فیض

آیا ہمارے دیس میں اِک خوش نوا فقیر
آیا اور اپنی دُھن میں غزل خواں گذر گیا
سنسان راہیں خلق سے آباد ہو گئیں
ویران مے کدوں کا نصیبہ سَنور گیا
تھیں چند ہی نگاہیں جو اس تک پہنچ سکیں
پر اس کا گیت سب کے دِلوں میں اتر گیا
اب دُور جا چکا ہے وہ شاہِ گدا نما
اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں اُداس ہیں
چند اک کو یاد ہے کوئی اس کی ادائے خاص
دو اک نگاہیں چند عزیزوں کے پاس ہیں
پر اس کا گیت سب کے دلوں میں مقیم ہے
اور اس کی لَے سے سیکڑوں لذت شناس ہیں
اس گیت کے تمام محاسن ہیں لازوال
اس کا وفور، اس کا خروش، اس کا سوز و سَاز
یہ گیت مثل شعلۂ جوّالہ، تند و تیز
اس کی لپک سے باد فنا کا جگر گداز
جیسے چراغ وحشتِ صرصر سے بے خطر
یا شمع بزم، صبح کی آمد سے بے نیاز

اقبال

علی سردار جعفری

ناتوانوں کو عطا کی قوتِ ضرب کلیم
تو نے بخشے ملت بے پر کو بال جبرئیل
رند کیا ساقی بھی جس محفل میں پیاسا تھا وہاں
بھر کے لایا دل کے پیمانے میں موجِ سلسبیل
کچھ نہیں تھا جس بیاباں میں بجز موجِ سراب
آج وہ ہے رہگذار دجلہ و دنیوب و نیل
آذرانِ عصر حاضر کے صنم خانوں میں آج
گو نجتا ہے تیرے دم سے نغمۂ سازِ خلیل
زندگی دشوار تر کر دی غلامی کے لیے
کھینچ دی اس طرح آزادی کی تصویرِ جمیل
خواب کے آغوش سے بیداریاں پیدا ہوئیں
زندگی کی راکھ سے چنگاریاں پیدا ہوئیں

آہ! اے اقبال

احسان دانش

کہاں ہے آہ اے اقبال اے ملت کے شیدائی
ترستی ہے ترے دیدار کو چشم تمنائی
ملی تھی سرزمین شور تجھ کو پھول بونے کو
تری تقدیر تھی بربادیِ ملت پہ رونے کو
دیا ذوق یقیں کا درس تو نے بے زبانوں کو
سنبھالا آندھیوں میں روح کے بجھتے چراغوں کو

بدل دی گلستانِ ہند کی یکسر ہوا تو نے
عطا مستسقیوں کو کر دیا آبِ بقا تو نے

ترے نغموں کے قابل گرچہ یہ بُستاں نہ تھا ہرگز
ترا ماحول تیرے ذوق کے شایاں نہ تھا ہرگز
مگر کی اس طرح پوری کمی "بے اختیاری" کی
کہ دن کو فکر فردا رات کو اختر شماری کی
نہ پایا گلشن پنجاب میں جب ہمنوا اپنا
سمجھ کر سوچ کر حاصل کیا یوں مدعا اپنا

مشامِ جاں نے تیرے مانگ لی بو باغِ دہلی سے
لیا درس نوا پیرائی تو نے داغِ دہلی سے

گداز ایسا بھرا پھر تو نے اپنی داستانوں میں
کہ زندہ کر دیے جذبات آزادی جوانوں میں
تیرے نغموں سے ہے فولاد کے دل میں لچک پیدا
تری تانوں سے ہے ہستی کی نبضوں میں دھمک پیدا
بتائے خود فراموشوں کو اسرارِ خودی تو نے
بنایا آدمی کو فی الحقیقت آدمی تو نے

تمیز زندگی دی تو نے درس زندگانی سے
چٹانوں کے جگر پانی کیے آتش بیانی سے

مٹایا امتیازِ رنگ و نسلِ آدمی تو نے
حجابِ شاعری میں کی ہے اک پیغمبری تو نے
ہے تیرے زمزموں سے لوچ پیدا کوہساروں میں
ہے تیرا شعلۂ آواز رقصاں برق پروں میں
تری آتش نوائی سے ہے پتھر میں شرر پیدا
نگاہوں سے ہے تیری سنگ ریزوں میں نظر پیدا
دکھائے تو نے ناکاموں کو رستے کامرانی کے
نکالے موت کے دریا سے ساحل زندگانی کے

سنوارا تو نے گیسوے عروس علم و حکمت کو
پرِ پرواز بخشے تو نے ذوقِ آدمیت کو

تری نظروں میں قیمت ہی نہ تھی کچھ کج کلاہی کی
حقیقت آشکارا تجھ پہ تھی دینِ الٰہی کی

مسلمانوں کو پیش اسلام کی توحید کی تُو نے
خدا کے آخری پیغام کی تجدید کی تُو نے
کیا ہے پستیوں کو رفعتوں سے آشنا تُو نے
سنائی گمرہوں کو پے بہ پے بانگِ درا تُو نے
ترا ثانی کوئی ہندوستاں میں ہو نہیں سکتا
یہ سوزِ بے اَماں سَازِ بیَاں میں ہو نہیں سکتا

ترے آتش فشاں پُر سوز نغموں سے جہاں جاگا
زمیں نے کروٹوں پر کروٹیں لیں آسماں جاگا
مگر پنجاب اب تک بے حِس و مدہوش سوتا ہے
زمانہ جاگ اٹھا اور یہ غفلت کوش سوتا ہے
یہ بحرِ بے خودی میں سر بسر غرقاب ہے اب تک
یہ میٹھی نیند کا ماتا اسیر خواب ہے اب تک
قیامت ہے سمندر میں بھی شورِ تشنہ کامی ہے
جہاں اقبال پیدا ہو وہاں مذہب غلامی ہے

آرزو کی بے نیشی

رئیس امروہوی

طبیبِ عشق، مسیحائے اہل دل اقبال
کمالِ فقر ہے تیرا مقامِ درویشی

رہِ طلب میں ترے نقشِ پا سے روشن ہے
چراغِ خود نگری، مشعلِ خود اندیشی

کمی کا اس کے مراتب میں احتمال ہو کیا
مدارجِ بشریت میں جس نے کی بیشی

غضنفری و نہنگی کا طرز سیکھ گئی
وہ قوم جس کی روش گوسفندی و میشی

عروجِ فکر و تصور سے دب گئی تیرے
عدو کی بد نظری، غیر کی کج اندیشی

طبیبِ عشق کی خلوت میں کل ہوئی اے دوست
مریضِ دردِ محبت کی دفعتہ پیشی

مسیحِ دیدہ و دل سے گلہ کیا میں نے
نہ اب وہ ذوقِ طلب ہے، نہ دور اندیشی

"طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی"

جسے معنوی نے بخشی، نئی زمزمہ طرازی
وہی اک حکایتِ نے، ترا ذوق نے نوازی

کبھی اک نوائے ہندی، ترا بذلۂ عراقی
کبھی اک سرودِ رومی، ترا نغمۂ حجازی

ترا شوق والہانہ، ترا ذوق دلبرانہ
تری شان غزنوی میں، ہمہ شیوۂ ایازی

ترے فلسفے سے ظاہر، تری شاعری سے روشن
تری جہد خود فروزی، تری سعیِ خود فرازی

ترے نعرۂ خودی سے، خجل و خفیف اب تک
وہی معرکوں کے ملا، وہی مسجدوں کے غازی

تری فکر پر کشا کا کوئی جاذبہ تو دیکھے
وہ تہورِ پر شکستہ، یہ کمال شاہبازی

ترے جذبۂ نہاں کو کوئی کیا سمجھ سکے گا
ہمہ با خودی و بے خود، ہمہ راز دار و رازی

تری کیفیاتِ باطن، تری واردات ظاہر
کبھی صد نیاز مندی، کبھی ایک بے نیازی

ہمہ اختصاص فطرت، ترا جوہر خصوصی
ہمہ امتیاز قدرت، ترا عشق امتیازی

ترے ہم نفس نہ پہنچے، ترے شعلۂ نفس تک
ترے ہم نوا نہ سمجھے، تری زمزمہ نوازی

ترے اہل صومعہ سے، ترے اہل زاویہ سے
مجھے پوچھنا پڑے گا، بہ امید کارسازی

ترے صومعے میں کب تک، یہ حضور بے حضوری
ترے زاویے میں کب تک، یہ نماز بے نیازی

غمِ این و آں تجھ کو غمِ عاشقی نہ بھولا
پے دیگراں بسوزی، پے خویشتن بسازی

چہ وجودِ دل نشینی کہ بجان و دل مکینی!
چہ نمودِ ناز نینی، بہ تو می سزد کہ نازی

نئی جستجو کی ضامن، نئی آرزو کی حامل
تری جستجو پسندی، تری آرزو نوازی

بخدا کہ لاکھ باطل نہ حریفِ معرکہ ہوں
جو شریکِ معرکہ ہو، کوئی ایک مرد غازی

ترا ثمرۂ طلب ہے، ترہ نعرۂ رجز ہے
یہ جو خاک ایشیا پر ہے جہادِ ترکتازی

ترا پرتوِ تصور، ترا جلوۂ تخیل
یہ عجم کے آئنے میں جو ہے جوہر حجازی

جو بساطِ زندگی پر نئی فتح کا قرینہ
وہی بازیِ جنوں تو ہے طلب کی شاہ بازی

ترے سوز کا عطیہ، ترے ساز کا لطیفہ
تری محفلِ نوا میں، مرا قصدِ نے نوازی

تجھے پیش کر رہا ہوں، ترا ارمغان یثرب
تری نذر کر رہا ہوں، ترا تحفۂ حجازی

اسی کشمکش میں گذریں، تری زندگی کی راتیں
"کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی"

اقبال

ماہر القادری

دلوں کی وادیوں میں پھول برساتا ہوا آیا
حجازی "لے" میں نغمہ ہند کا گاتا ہوا آیا
کہا لبیک اس کے شعر پر کلیوں نے ہنس ہنس کر کے
نسیمِ صبح کی مانند اٹھلاتا ہوا آیا
بہارِ لالہ و گل اس کی فطرت کا تھا آئینہ
وہ بوئے گل سے ہر وادی کو مہکاتا ہوا آیا
وہ شاعر جس کے نطقِ شعر کا احساں ہے اُردو پر
ادب کی زلف ژولیدہ کو سلجھاتا ہوا آیا
جو باتیں رہ گئی تھیں فکر عطار و سنائی سے
انھیں باتوں کی وہ تکمیل فرماتا ہوا آیا
شراب ساقی رومی سے بدمست خودی ہو کر
فضائے ہند پر ایک کیف برساتا ہوا آیا
نظر آزاد، دل بے باک، فکر و ذہن بے پایاں
خودی کا پرچمِ رنگین لہراتا ہوا آیا
ہوا نازل زمینِ ہند پر بانگ درا بن کر
وہ آیا اور ہر سوتے کو چونکاتا ہوا آیا
قلندر کی زباں میں اس نے دی تعلیمِ آزادی
مجاہد کی طرح تلوار چمکاتا ہوا آیا
کہا اس نے کہ ہے عجز غلامی موت انساں کی
وہ سینوں میں خودی کی آگ بھڑکاتا ہوا آیا

کہا اُس نے امیری بے فقیری ہو نہیں سکتی
وہ جبر و ظلم کی طاقت کو ٹھکراتا ہوا آیا
کلیمی ضرب کی تاثیر تھی اس کے تکلم میں
وہ ہر فرعون کی قوت سے ٹکراتا ہوا آیا
کہا اس نے مسلماں موت سے ڈرتا نہیں ہر گز
فسانہ حضرت ٹیپو کا دہراتا ہوا آیا
"خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"
وہ ان اسرار کو شعروں میں سمجھاتا ہوا آیا
وہ دل، مرد خود آگاہ، تہذیب فرنگی کو
حجازی تیغ کا آئینہ دکھلاتا ہوا آیا
وہ دل کہ برف کے ٹکڑوں سے بھی بڑھ کر فسردہ تھے
وہ ان کو بادۂ الفت سے گرماتا ہوا آیا
جبیں میں اس کی رخشاں تھا جلال شان فاروقیؓ
غلامی کی فضا گرچہ شرماتا ہوا آیا
دیا پیغام اسلامی اخوت کے زمانے میں
جہاں میں زندگی کی رُوح دوڑاتا ہوا آیا
وہ آتش جس کے سینے میں ہے گرمی سوز طارق کی
اسی سے دل کے خاکستر کو گرماتا ہوا آیا
دیا تھا جو پیامِ زندگی نطقِ محمدؐ نے
اسی پیغام کو اقبال دہراتا ہوا آیا

اقبال

ماہر القادری

کارواں خواب میں تھا بانگ درا سے پہلے
ساز میں سوز نہ تھا تیری نوا سے پہلے
اللہ اللہ ترا قافلۂ نُطق و کلام
بال جبریل کے سایہ میں ہوا گرمِ خرام
صرف مشرق نہیں مغرب کو بھی پیغام دیے
نگہ و فکر پہ اسرارِ خودی فاش کیے
تو کبھی شعلہ رقصاں، کبھی رفتار نسیم
موج کوثر ترے اشعار کہیں، ضربِ کلیم
اک نئی طرز نئے باب کا آغاز کیا
شکوہ اللہ تعالیٰ سے بصد ناز کیا
حسن والفت کے فسانوں میں ہوس شامل تھی
تو نے تقدیس عطا کی، انھیں عصمت بخشی
چہرۂ فکر و معانی کو نکھارا تو نے
زلفِ دوشیزۂ اُردو کو سنوارا تو نے
تیرے شعروں میں کہیں معرکۂ بدر و حنین
کہیں ایمان ابراہیمؑ، کہیں عزم حسینؑ
اس لیے ہے تری اک ایک مجھے بات قبول
تیرا سرمایۂ دانش تھا فقط عشق رسول

تو کہ لندن کی بھی راتوں میں بھی سحر خیز رہا
غیر ماحول میں خود دار و کم آمیز رہا
ہو سکے ضبط نہ اسپین میں تجھ سے آنسو
قوم کے غم میں تری آنکھ نے رویا ہے لہو
اس قدر خوفِ خدا، سوزدروں، جذبۂ حق
بھیگ جاتے تھے ترے اشک سے قرآن کے ورق
محفلِ رومی و عطار بھی مدت سے خموش
علم و حکمت کے مسائل کو دیا شعر کا رنگ
کس نزاکت سے ہم آہنگ کیے شیشہ و سنگ
فکرِ افسردہ کو پرواز عطا کی تو نے
لبِ خاموش کو آواز عطا کی تو نے

اقبال کے انتقال پر

تلوک چند محروم

ظاہر کی آنکھ سے جو نہاں ہو گیا تو کیا
احساس میں سما گیا دل میں اتر گیا

کُنجِ مزار میں تنِ خاکی کو چھوڑ کر
قدسی نژاد اوجِ سماوات پر گیا

کاشانۂ بقا میں مسافر پہنچ گیا
ویرانۂ فنا سے سلامت گذر گیا

باغِ جہاں میں صورت گل ہائے تر رہا
باغِ جناں میں مثل نسیم سحر گیا

خاکِ جہاں میں گوہرِ شبنم نہاں نہیں
خورشیدِ جلوہ بار سے پوچھو کدھر گیا

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
روشن تر اس حقیقت روش کہ کر گیا

محروم کیوں ترے دلِ حرماں نصیب کو
یہ وہم ہو گیا ہے کہ اقبال مرگیا

محروم کیوں ترے دلِ فرماں نصیب کو
یہ وہم ہو گیا ہے کہ اقبال مرگیا

اقبال کے انتقال کے بعد

راولپنڈی میں ماتمی جلسے کے مقام کی تبدیلی پر

بلبلِ گلزارِ معنی بود آں رنگیں سخن
ماتمِ اقبال باید کرد در صحنِ چمن

محروم

زندہ جاوید اقبال

تلوک چند محروم

ظاہر کی آنکھ سے جو نہاں ہو گیا تو کیا
احساس میں سما گیا دل میں اتر گیا
کُنجِ مزار میں تنِ خاکی کو چھوڑ کر
قدسی نژاد اوجِ سماوات پر گیا
کاشانۂ بقا میں مسافر پہنچ گیا
ویرانۂ فنا سے سلامت گذر گیا
باغِ جہاں میں صورت گلہائے تر رہا
باغِ جناں میں مثل نسیم سحر گیا
خاکِ جہاں میں گوہر شبنم نہاں نہیں
خورشیدِ جلوہ بار سے پوچھو کدھر گیا
ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
روشن تر اس حقیقت روشن کو کر گیا
محروم! کیوں ترے دلِ حرماں نصیب کو
یہ وہم ہو گیا ہے کہ اقبال مر گیا

رباعیات

تلوک چند محروم

اقبال کی موت پر بپا ماتم ہے
اے اہل وطن بہت بڑا ماتم ہے
نغموں سے کہو کہ آج نالے بن جائیں
رضوان ریاض شر کا ماتم ہے

تھی باعث نازش وطن ذات تری
وہ ذات تھی مجمعِ کمالات تری
ہر بات تری تھی بہر تزئین عمل
اقبالِ سخن طراز کیا بات تری

اونچا سب سے کہیں ترا مسلک تھا
اوجِ اہل یقیں ترا مسلک تھا
آتی ہے صدا بانگِ درا سے پیہم
حُبِ وطن اولیں ترا مسلک تھا

روشن کیا خوب نامِ مشرق تو نے
کردی پُر نور شام مشرق تو نے

اے شاعرِ بے مثال صدیوں کے بعد
مغرب کو دیا پیام مشرق تو نے

ایقان کو پستی سے نکالا تو نے
اور اس کو دیا مقام بالا تو نے
کرتے ہیں ہم وطن کی پوجا جس میں
تعمیر کیا ہے وہ شوالا تو نے

کم تر ہے حکیم ہند اگر تجھ کو کہوں
یا لعل گلیم ہند اگر تجھ کو کہوں
اللہ سے ہم سخن ہوا تو اکثر
زیبا ہے کلیم ہند اگر تجھ کو کہوں

علامہ اقبال

احمد ندیم قاسمی

پلک جھپکنے میں کیا ہو گئی ہے بزمِ سرود
کہ اک نالۂ غمگیں ہے نغمۂ داؤد

امیر روتے ہیں فرغل میں سر چھپائے ہوئے
تو اہلِ فقر کی بھی ہے ہے خوں آلود

ہے کس کے غم میں حزیں دو جہاں کی پہنائی
افق سے جھانک رہا ہے کسے سپہر کبود

یہ کس کے درد سے تارے فلک پہ کانپتے ہیں
یہ کس کی یاد میں گم ہے ہر ایک شے کا وجود

یہ کس نے توڑ دیا بربطِ حیات کا تار؟
یہ بن رہا ہے دلِ کہکشاں میں کس کا مزار؟

چلی تو تھی چمنستان میں میرے بادِ مراد
ہزار حیف کہ تھا گھات میں مگر صیاد

ابھی تو ضبط کا پہلا سبق وردِ زباں
ابھی تو کل ہی کیا تھا یہ دشت خشک آباد

جگر سے اٹھنے لگا شیون و بکا کا شور
میں کر رہا تھا مسرّت کے زمزمے ایجاد

یہ کس کے نور سے پُر نور ہے بساط فلک
یہ کس کو ڈھونڈ رہے ہیں مدینہ و بغداد؟

لحد میں کانپ اٹھی خاک رُومی و حافظ
لرز کے سہم گئی روحِ مانی و بہزاد

فضائے تیرہ میں یہ گونجتا ہے کس کا نام؟
یہ کس کو دست ِ اجل سے ملی حیات دوام؟

جَہان شعر کا پروردگار تھا، نہ رہا
وہ اک قلندرِ عالی وقار تھا، نہ رہا

وہ عقل و عشق کے اسرار کا تھا گنجینہ
وہ مے کدے میں اک ہوشیار تھا نہ رہا

وہ رندِ بلا نوش چل بسا
وہ ایک عابدِ شب زندہ دار تھا، نہ رہا

وہ اک فقیر وہ اک صاحبِ جلال و کمال
وہ ایک سادہ دل و پختہ کار تھا، نہ رہا

بتایا جس نے مسلماں کو عشق کا مفہوم
مجاہدوں کی ہے تقدیر بے نیازِ نجوم

اسی کے دم سے تھی باقی قلندری کی شان
قلندری میں نمایاں سکندری کی شان

اسی کے دم سے تھی باقی وقار باقی تھا
قلم کی نوک میں شمشیر حیدری کی شان

اسی کے خامے نے ہندوستاں کو دکھائی
خدا خدا کی بلندی ہری ہری کی شان

میں کیا بتاؤں کہ کیا شے تھا اس کا فقرِ غیور
کہ بے زری میں تھی پیدا تونگری کی شان

اسی سے زندہ تھا اندازِ غالب و رومی
اسی کے دم سے تھی مشرق کی شاعری کی شان

اسی نے فاش کیا رازِ زندگانی کا
غرور توڑ دیا دورِ آسمانی کا

کبھی نہ بھولوں گا حرف ترا
خودی تری ہے تو، دنیا تری، زمانہ ترا

نگاہیں کانپ اٹھیں اور فلک کو چیر گئیں
پڑا جو غیرتِ ملت پہ تازیانہ ترا

وہ فقر فقر ہے جس میں ہو قوتوں کا پیام
سکھا گیا یہ سبق سوزِ عارفانہ ترا

پھر اس سبق میں حقیقت کا رنگ بھرنے کو
قلندری میں تھا اندازِ خسروانہ ترا

وہ خاکِ پاک، وہ جنت، وہ خطۂ لاہور
رہا ہو جس کی فضاؤں میں آشیانہ ترا

میں اس کی گرد پہ سجدے لٹانے آؤں گا
اور آ کے سنگِ لحد تیر چوم جاؤں گا

تو کیا گیا ہے کہ کون و مکاں میں دم نہ رہا
رباب دل کی نواؤں میں زیر و بم نہ رہا

یہ ایک غم کہ تجھے پھر نہ مل سکوں گا کبھی
کہ روتے روتے مرے آنسوؤں میں نم نہ رہا

میں جانتا ہوں کہ فانی ہیں زندگی کے نقوش
میں جانتا ہوں کہ دارا سدھارا، جم نہ رہا

مگر مری تو خدا سے یہی شکایت ہے
مرے لیے ترے دربار میں کرم نہ رہا

کرم کیے تھے تو اب ان کے مجھ سے دام نہ لے
الٰہی اپنے غلاموں سے انتقام نہ لے

مگر اجل ہی حقیقت میں ہے خدا کی دلیل
اسی نقاب میں ہے پیکرِ جلیل و جمیل

در اصل موت بھی منزل ہے زندگانی کی
کہ جیسے دشت میں کچھ دور ہو ہجوم نخیل

کسے خبر ہو ترے بازوؤں کی قوت کی
جو پتھروں میں نہ گھس جائے تیری تیغ اصیل

کہیں جہاں میں ان کا نشاں نہ مل سکتا
اگر نہ بحر میں گرتے فرات و دجلہ و نیل

نہیں دلوں کو دکھاتی پرانی جائے قیام
نئے جہاں دکھاتا ہے جب پیامِ رحیل

کہاں ہے شوکتِ جم اور نغمہ خسرو؟
ابھی تو دیکھا تھا اور اب کدھر گیا مہ نو؟

اقبال

مخدوم محی الدین

اس اندھیرے میں یہ کون آتش نوا گانے لگا
جانبِ مشرق اُجالا سا نظر آنے لگا
موت کی پرچھائیاں چھٹنے لگیں، چھٹنے لگیں
ظلمتوں کی چادریں ہٹنے لگیں ہٹنے لگیں
اک شرارہ اڑتے اڑتے آسمانوں تک گیا
آسماں کے نور پیکر نوجوانوں تک گیا
عالم بالا پہ باہم مشورے ہونے لگے
آسمانوں پر زمیں کے تذکرے ہونے لگے
وہ نقیب زندگی شام و سحر گاتا گیا
کو بہ کو، کوچہ بہ کوچہ در بہ در گاتا گیا
پھر اندھیرے میں وہی آتش نوا پایا گیا
زندگی کے موڑ پر گاتا ہوا پایا گیا

مکالمہ شاعر و ساقی

(در باب رحلت اقبال)

شاعر

ساغر نظامی

کیا ہوا رندِ بلا نوش تمام اے ساقی
کیوں کھنکتے ہیں اب ساغر و جام اے ساقی

اشک آلود ہے کیوں نرگس مخمورِ سحر
خاک آلود نہیں کیوں گیسوئے شام اے ساقی

جیسے رہرو کسی کھوئی ہوئی شے کو ڈھونڈے
ہے ترا کچھ ایسا اندازِ خرام اے ساقی

بادۂ جودتِ اقبال تھا خُم خانے میں
حاصلِ مے کدہ و حاملِ جام اے ساقی

مدفنِ شب ہے سحر مقبرۂ روز ہے شام
کیا یہی ہے تری دنیا کا نظام اے ساقی

رہ گیا تھا وہی اک رند باقی
نامۂ مرگ نہ آیا مرے نام اے ساقی

.

یہی انجام ہے گر مے کشی و مستی کا
ترے مے خانے کو میرا ابھی سلام اے ساقی

صبحِ محشر سے ادھر کھل نہ سکے گا شاید
اس طرح بند ہے دروازۂ عام اے ساقی

پختہ ہے پختہ ہے سرکارِ اجل کا دستور
خام ہے خام ہے قدرت کا نظام اے ساقی

ساقی

جوشِ غم میں یہ ترا طرز کلام اے ساقی
مرحبا لے یہ چھلکتا ہوا جام اے ساقی

مہدِ تخلیق ہو یا مرحلۂ مرگ و حیات
کہیں ہوتا ہے مسافر کا قیام ہے ساقی

نغمۂ قلقل کہنہ ہے فضا نہیں محفوظ
کہیں مرتے نہیں کلیم اور کلام اے ساقی

جس کی تخیل تھی کل فرش پہ محوِ گل گشت
اب وہی عرش پہ ہے محوِ خرام اے شاعر

خاکِ اقبال کا ہر ذرہ ہے مے خانہ بدوش
خم بہ خم بادہ چکاں جام بہ جام اے شاعر

شعر اس کا ہے زمانے کو پیام ابدی
اس نے قائم کیا شاعر کا مقام اے شاعر

جام بر کف ہے تری بزم کا ساقی اب بھی
جاوداں ہے مرے مستوں کا امام اے شاعر

شاعر

جسے کہتے ہیں ابد تیرے عوام اے ساقی
ہے وہ اقبال کی دردِ تہہِ جام اے ساقی

سقفِ مے خانہ سے عالم میں منادی کر دے
غم اقبال میں پینا ہے حرام اے ساقی

تجھے معلوم نہیں اس کا مقام اے ساقی
دو جہاں کیف میں تھے اس کے غلام اے ساقی

بلبل وقت تھا اقبال کے نغموں کا شکار
طائر قدس ہے مرغِ تہہ دام اے ساقی

اقبال

حفیظ جالندھری

لحد میں سو رہی ہے آج بے شک مشت خاک اس کی
مگر گرم عمل ہے جاگتی ہے جانِ پاک اس کی
وہ اک فانی بشر تھا میں یہ باور کر نہیں سکتا
بشر اقبال ہو جائے، تو ہرگز مر نہیں سکتا
بزیرِ سایۂ دیوار مسجد ہے جو آسودہ
یہ خاکی جسم ہے ستر برس کا راہ پیمودہ
یہ خاکی جسم بھی اس کا بہت ہی بیش قیمت تھا
جسے ہم جلوہ سمجھے تھے وہ پردہ میں غنیمت تھا
اسے ہم ناپتے تھے لے کے آنکھوں ہی کا پیمانا
غزل خواں اس کو جانا ہم نے شاعر اس کو گردانا
فقط صورت ہی دیکھی اس کے معنی ہم نہیں سمجھے
نہ دیکھا رنگِ تصویر آئینے کو دل نشیں سمجھے
ہمیں ضعفِ بصارت سے کہاں تھی تابِ نظارا
سکھائے اس کے پردے نے ہمیں آدابِ نظارا
یہ نغمہ کیا ہے زیر پردہ ہائے ساز، کم سمجھے
رہے سب گوش بر آواز لیکن راز کم سمجھے
شکستِ پیکر محسوس نے توڑا حجاب آخر
طلوعِ صبح محشر بن کے چمکا آفتاب آخر

مقید اب نہیں اقبال اپنے جسمِ فانی میں
نہیں وہ بندگی حائل آج دریا کی روانی میں
وجود مرگ کا قائل نہیں تھی زندگی اس کی
تعالی اللہ اب دیکھے کوئی پابندگی اس کی
جسے ہم مردہ سمجھے زندہ تر پائندہ تر نکلا
ابھی اندازہ ہو سکتا نہیں اس کی بلندی کا
ابھی دنیا کی آنکھوں پر ہے پردہ فرقہ بندی کا
مگر میری نگاہوں میں ہیں چہرے ان جوانوں کے
جنھیں اقبال نے بخشے ہیں بازو قہر مانوں کے

اقبال کی یاد میں

آل احمد سرور

ابھی سعود کے ماتم سے سنبھلی بھی نہ تھی ملت
خبر آئی کہ ہم سے ہو گیا اقبال بھی رخصت
مسلمانوں کو مسلماں کر دیا جس کے ترانوں نے
قسم کھائی ہے جس کے نطق کی معجز بیانوں نے
وہ جس نے اپنے نغموں سے وطن کی آبرو رکھ لی
وہ جس کے ساز سے بیداریاں بکھریں فضاؤں میں
وہ جس کے دم سے طوفاں جاگ اُٹھے ٹھنڈی ہواؤں میں
وہ جس کے چشمِ روشن محرم اسرار فطرت تھی
وہ جس کی فکرِ رنگیں طرۂ دستارِ فطرت تھی
وہ جس نے خاکیوں میں عرشیوں کی عظمتیں بھر دیں
وہ جس نے خلوتوں میں محفلیں آراستہ کر دیں
وہ جس کی خوا نوائی سے چمن میں پھول کھلتے تھے
وہ جس کی شعلہ افشانی سے دل سینوں میں ہلتے تھے
ہر ایک ساحل کو ہم آغوش طوفاں کر دیا جس نے
بیابانوں کو رشک صد گلستاں کر دیا جس نے
وہ جس نے شاعری میں زندگی کا عکس دکھلایا
ہماری زشت روئی کے لیے جو آئینہ لایا

فضائے لا مکاں تک رخصتِ پرواز تھی جس کی
نوائے قدس سے ملتی ہوئی آواز تھی جس کی
وہ جس نے آشیاں کی خاک میں چنگاریاں بھر دیں
رگوں میں خون کے بدلے تڑپتی بجلیاں بھر دیں
وہ ساقی جس کی مینائے سخن میں تیغ کی تیزی
وہ واعظ پند میں جس کی جوانی کی دل آویزی
بہارِ رنگ و بو میں بجلیاں کھوئے ہوئے پرچم
کبھی طوفاں، کبھی ساحل، کبھی شعلہ، کبھی شبنم
فقیر بے نوا تھا، عظمتِ شاہانہ رکھتا تھا
وہ عاشق تھا مگر انداز معشوقانہ رکھتا تھا
وہ جس کا دل نہ تھا عشق الٰہی کا خزانہ تھا
تکلم عالمانہ تھا، تخیل شاعرانہ تھا
وہ جس کی موت کا ہندوستاں میں آج ماتم ہے
مگر عظمت سے جس کی مسلم ہندی معظم ہے
اٹھے گا فخر سے سر عالم اسلام کے آگے
حجاز و مصر کے آگے، عراق و شام کے آگے
وہ جس نے ڈوبتی نبضوں میں دوڑایا لہو اپنا
بیابانوں کے دل میں بھر دیا ذوق نمو اپنا
وہ جس نے حریت کے راز بتلائے غلاموں کو
وہ جس نے سجدے کے آداب سکھائے اماموں کو

دلِ یخ بستہ کو ذوقِ عمل کی آنچ دی جس نے
ہجوم یاس میں چمکائی اپنی روشنی جس نے
حریم حسن کے پردے اٹھائے، راز حق کھولے
فرشتوں کے عمل انسان کے میزان پر تولے
وہ شاعر جس نے اسرارِ خودی کا راز گایا تھا
وہ غازی موت کا منہ دیکھ کر جو مسکرایا تھا
وہ مے کش دے گواہی حور جس کی پارسائی کی
وہ مومن بندگی میں شان تھی جس کی خدائی کی
زعیم ملک و ملت رہبر دیں، رند بے پروا
کلیم طور معنی علم کا بہتا ہوا دریا
وہ جس نے زندگی میں پھونک دی تابندگی ایسی
جسے خود موت کی عظمت بھی مدھم کر نہیں سکتی
شفق ہر لحد پر اس کی لحد پر پھول لاتی ہے
نسیم جانفزا ہر صبح یہ نغمہ سناتی ہے
یہاں ملتا رہے گا سوز و ساز آرزو برسوں
کیا ہے خونِ دل سے ایک قلندر نے وضو برسوں

ساقی ایشیا

خضر برنی

وقت کے گہرے اندھیرے پر جب آیا تھا شباب
ہو گیا دھرتی سے پید، ایک روشن آفتاب

مختلف اشکال میں لوگوں نے پرکھا تھا جسے
ہم نے خود اقبال کی صورت میں دیکھا ہے اُسے

جس کو ہم اقبال کہتے ہیں برائے ذکر آج
مدتوں اہل خرد سے اس نے پایا ہے خراج

ناتواں کاندھوں پہ جس نے رکھ لیا بارِ گراں
تنگدستی میں غنی تھا بیکسی میں شادماں

نغمہ گلشن تھا لب پر دل میں سوز و ساز بھی
اور اندازِ تکلم میں تھا اک اعجاز بھی

جس کو کرتے ہیں عام و خاص دونوں ہی پسند
اپنے ہر انداز میں وہ ایشیا کا درد مند

جس کی اک تخلیق کا عنوان ہے ضربِ کلیم
ترجمانِ قوم و ملت وہ تھا امت کا حکیم

جس کو دیوانہ سمجھتے تھے وہی تھا ہوشیار

مسکرا کر خود ہی صحرا میں چراغاں کر دیا
جب کبھی آنسو بہائے سب کو حیراں کر دیا

چل پڑا اک روز یورپ دیکھنے مردانہ وار
باندھ کر دامن میں اپنے گردشِ لیل و نہار

کوئی مونس تھا نہ ہمدم اور نہ کوئی غم گسار
پھر بھی گذرا امتحانِ عاشقی سے باوقار

ڈھال کر سانچے میں اپنی زندگی کا رنگ و روپ
چھوڑ کر سائے کو اپناتا رہا وہ سبز دھوپ

ناتوانی میں توانا، کسمپرسی میں غنی
شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں ایسے پیدا آدمی

کارواں

جسٹس ایس اے رحمان

دھندلکا چھا رہا تھا قافلے پر شامِ غربت کا
نشانِ راہ اک اک کر کے اوجھل ہوتے جاتے تھے
تھکے پاؤں تھکی نظریں تھکے دل اور تھکی روحیں
خود اپنے ساتھیوں سے راہرو آنکھیں چراتے تھے
سرود و چنگ و رقص و قلقلِ مینا کی رمزیں تھیں
شبستاں غیر کے، امید بن کے ورغلاتے تھے
کئی بیٹھے تو یوں بیٹھے کہ گویا پھر نہ اٹھیں گے
سر رہ لیٹ کر کچھ سو چکے نیندوں کے ماتے تھے
جو باقی تھے پڑی تھی کھلبلی ان کی قطاروں میں
دعائیں مانگتے تھے اور کبھی سر کو جھکاتے تھے
نہ میر کارواں کو سدھ رہی تھی سمتِ منزل کی
نہ گوشِ دل کو نغمے سارباں کے گدگداتے تھے
دبک کر ایک جانب گھات میں بیٹھے تھے رہزن بھی
ردائے شب میں جو اپنی سیہ کاری چھپاتے تھے
کمیں گاہوں سے ظلمت جھانکتی تھی اور کہتی تھی
یہ وہ ہیں جو ستاروں کو کبھی رستہ دکھاتے تھے
کبھی مل کر یہ نورانی زبانوں میں گیت گاتے تھے
"نہاں بطنِ زمانہ میں فلک کے دور باقی ہیں
کئی اک ہو چکے لیکن ابھی کچھ اور باقی ہیں

فسونِ خواب طاری تھا، ہجومِ یاس جاری تھا
یکایک مضمحل کانوں میں پھر بانگ درا آئی
کسی خونیں جگر کے نالۂ شب گیر سے لرزاں
دلوں میں چٹکیاں لیتی ہوئی یاد وفا آئی
ہوا یوں نغمہ زن کوئی رگِ سازِ تمنا پر
کلی کی نکہت خوابیدہ بھی بن کر نوا آئی
چمن میں ناچتی گاتی ہوئی اٹھکیلیاں کرتی
سر رہ سونے چومتی شاخوں کو لہراتی صبا آئی
سر رہ سونے والوں کو جھنجوڑا اس کی شوخی نے
دبے پاؤں گئی اور بخت خفتہ کو جگا آئی
سرکتی جا رہی تھی سرمئی چادر رخِ شب سے
لٹاتی خاوراں سے سیم وزر موجِ صبا آئی
سحر کی انگلیاں اٹھیں کہ تاریکی کے پر نوچیں
دل ظلمت میں نشتر زن شفق گلگوں قبا آئی
پلاتی طالبوں کو آب حیواں، روح بیداری
جمیل و قاہر و ہنگامہ زا، محشر ادا آئی
"گیا دور گراں خوابی افق سے آفتاب ابھرا"
سروش زندگی کی عرش اعظم سے ندا آئی
"اٹھ اے غافل تجھے پھر قم باذنی کا پیام آیا
خودی کا جام بن کر تیری محفل میں کلام آیا"
ہوا آشنا ذوق سفر سے کارواں اپنا
تھی پیشِ آہنگ کی رفتار کیف رہ سے مستانہ

حجازی لے، سے مے کا پھر غوغا تھا رندوں میں
بقدر ظرف بھر بھر کے دیا ساقی نے پیمانہ
ہوس شرمندۂ ساحل کی پھر تھی بے کرانی کی
ہوا پھر خود فراموشوں کو یاد آپ اپنا افسانہ
نکالا کعبۂ دل سے بتوں کو مرد مومن نے
اذاں کے خوف سے لرزاں تھا افرنگی صنم خانہ
تو اپنی آپ ہی تقدیر ہے، کہہ کر مسلماں سے
قلندر نے کیا تقدیر پر شبخون ترکانہ
ہر اک مردِ خدا مست و خود آگہ کا کرشمہ تھا
نمایاں جس کی درویشی میں تھے انداز شاہانہ
جو کھولی آنکھ ملت نے تو اپنی موند لیں آنکھیں
ہے چشم شمع روشن میں ضیائے خاک پروانہ
سکھائے جس نے آداب جنوں عقل فلک رس کو
جوار مسجد شاہی میں جا سویا وہ دیوانہ
سنے کوئی تو اب بھی تربت اقبال سے اکثر
لیے پیغام فردا یہ صداو آتی ہے مستانہ
"سبق پھر پڑھ عدالت کا، صداقت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا"

ماتمِ اقبال

عرش ملسیانی

آنکھ میری اشک افشاں ہے غمِ اقبال میں
تو بھی رو اے خاکِ مشرق ماتمِ اقبال میں

بزمِ عالم میں کیا تھا جس نے اونچا نامِ مشرق
سرنگوں ہو جاؤں کے غم میں اے اقوامِ مشرق

جس کے فرحت زا ترانوں میں تھا نامِ پاکِ ہند
رو اسے جی بھر کے رو جی بھر کے رو اے خاکِ ہند

رومؔ و تبریزؔ آشنا، وہ برہمن زادہ کہاں
پیرِ مے خانہ کہاں وہ جام وہ بادہ کہاں

عرشؔ اپنا فرض اس غم میں نہ ہرگز بھول تو
اس کی تربت چڑھا دے آنسوؤں کے پھول تو

درویش بے گلیم

شورش کاشمیری

اک رنگِ نو بہار فضاؤں پہ چھا گیا
اقبال اس چمن کی رگوں میں سما گیا
اس سرزمیں پہ ملت بیضا کی آب و تاب
اپنے قلم کی تیز لو سے بڑھا گیا
اس کی صدا تھی صور اسرافیل کا جواب
اس کا خروش ہر کہہ و مہ کو جگا گیا
تھا یہ بھی اس کے ناخن تدبیر کا کمال
جلوہ گہ حیات کے پردے اٹھا گیا
وہ چند کی ہے لولوئے لالہ کی آبرو
شعر و سخن کے نام پہ موتی لٹا گیا
اک نغمہ حرم تھا عجم کے لباس میں
بطحا کی وادیوں کے ترانے سنا گیا
تاریخ روزگار کے تیور بدل دیے
فطرت کے پیچ و خم کی نقابیں اٹھا گیا
اٹھا تھا ایشیا سے اک درویش بے گلیم
اپنی نوا سے مشرق و مغرب پہ چھا گیا
وہ قافلہ کہ لغزش پا کا شکار تھے
ان کو حیات و موت کے معنی سجھا گیا

ہر رہنما کو منزلِ عرفاں کی دی خبر
ہر راہ رو کو جادۂ ایماں بتا گیا
شورش مرے قلم کو دیا اذن انقلاب
اور خواجگانِ دہر سے لڑنا سکھا گیا

نذرِ اقبال

خواجہ دل محمد

دعوے کی دلیل ہے کلامِ اقبال
بیباک سخنور نہیں ملتا کوئی
علامہ و برتر نہیں ملتا کوئی
اقبال کے ہمعصر بہت ملتے ہیں
اقبال کا ہمسر نہیں ملتا کوئی

الفاظ پہ قادر نہیں ملتا کوئی
تحقیق کا ماہر نہیں ملتا کوئی
دعوائے سخن کس کو نہیں ہے لیکن
اقبال سا شاعر نہیں ملتا کوئی

اقبال کا ہر شعر ہے دنیا کو پسند
اقبال کا اقبال ہو کیونکر نہ بلند
پیکر تھا وہ حق گوئی و بیباکی کا
اقبال نے سمجھا نہ کبھی زہر کو قند

عظمت "بانگ درا" کی ہم کو تسلیم
تسلیم کہ ہے "پیام مشرق" بھی عظیم

ہر ہر تصنیف یادگار و شہکار
"بالِ جبریل" ہو کہ "ضربِ کلیم"
مٹ سکتا نہیں جہاں سے نامِ اقبال
پا سکتا نہیں کوئی مقامِ اقبال
وہ "شاعرِ مشرق" تھا یہ دعویٰ ہے میرا
دعوے کی دلیل ہے کلامِ اقبال

اقبال

علامہ جمیل مظہری

تھی ایک روحِ مضطرب زندانِ ماہ و سال میں
ماضی کے غارستان سے آئی فضائے حال میں

بے چین تھی بے تاب، پرواز کی سوئے فلک
حیرت سے تکتے رہ گئے پرواز کو اس کی مَلَک

پہنچی تجلی راز تک گردوں سے مہ پارے لیے
کچھ پھول جنت سے چنے کچھ عرش سے تارے لیے

گلہائے رنگ و نور کی اک کہکشاں گوندھی گئی
کانٹوں بھری تھی وہ زمیں مالا جہاں گوندھی گئی

کانٹے بھی اس ماحول کے پھولوں میں شامل ہو گئے
وا تھا دریچہ ذہن کا جذبے بھی داخل ہو گئے

تاریخ کا اک سانحہ اقبال کی وفات ہے یہی
کچھ رنگ و بو کچھ خار و خس تقدیرِ گلشن ہے یہی

لیکن نظر کیوں جز پہ ہو جب ہم کو کل سے ہے غرض
کانٹے کھٹکتے ہیں تو کیا، گلچیں کو گل سے ہے غرض

گلہائے عرفاں بھی یہاں گلہائے مضموں بھی یہاں
آنکھوں کا جادو بھی یہاں ہونٹوں کا افسوں بھی یہاں

وہ فن کا اک رزّاق بھی اور فکر کا خلّاق بھی
وہ شاعر ملت بھی اور شاعر آفاق بھی

سیلاب آہ و اشک کے تا عرش دھارے لے گیا
فکر و نظر کا قافلہ تاروں سے آگے لے گیا

عینک نئی، سرمہ نیا، چشم دو عالم کو دیا
تسخیر فطرت کا سبق فرزند عالم کو دیا

اس کے فغانِ درد سے نازِ خدائی ہے خجل
پابندگی تھی منفعل، یا کبریائی ہے خجل

وجدان اس کی رہبری کا حد امکاں تک گیا
دست جنوں انسان کا دامانِ یزداں تک گیا

اے شاعر ہندوستاں اے فلسفیِ ایشیا
اللہ رے تیرے نطق پیغمبرانہ ادعا

حسنِ بیاں اک معجزہ تزئین کا ترتیب کا
تجھ پر سلام متصل مستقبل تہذیب کا

کشتِ ادب پامال تھی اک جذبہ خودرَو دیا
اور مظہری کے ذہن کو تو نے شعورِ نو دیا

نالہ پابندِ نے

حفیظ ہوشیارپوری

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

(اقبال)

سنائیں کیا کسی کو قصہ دردِ نہاں اپنا
نہ کوئی ہم زباں اپنا، نہ کوئی راز داں اپنا
وہی ہم ہیں، وہی دیرینہِ ماتم بد نصیبی کا
نہ رفتاری زماں اپنی، نہ دور آسماں اپنا
ابھی کچھ داد باقی تھی ہماری سخت جانی کی
ابھی منظور تھا قدرت کو شاید امتحاں اپنا
مقدر کو تدبر سے کیا تھا سرنگوں جس نے
نظر آتا نہیں ہم کو وہ میر کارواں اپنا
کدھر کو جائیں اہل کارواں "بانگ درا" گم ہے
درا کا ذکر کیا اس کارواں کا رہنما گم ہے

ہوا ہے قوم کے اقبال کا لبریز پیمانہ
گیا وہ ساقیِ بزمِ خودی، ویراں ہے میخانہ
جو قندیل نوا سے راہ مستقبل دکھاتا تھا
جو رو رو کر سناتا ہے غم ماضی کا افسانہ

غلاموں کو کیا ذوق یقیں سے آشنا جس نے
گداوں کو بتائی جس نے راہ و رسمِ شاہانہ
"یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم"
زمانے کو دیا جس نے یہ پیغامِ حکیمانہ

رلائے گا ہمیں اقبال کا عزمِ سفر برسوں
نہ ہو گی اس شبِ تاریکِ ہجراں کی سحر برسوں

بظاہر خاک میں پوشیدہ اہل دل بھی ہوتے ہیں
زمیں پیوند دنیا میں مہ کامل بھی ہوتے ہیں
یہ گرداب فنا ساحل ہے عمر جاودانی کا
کبھی گرداب کی تہہ میں نہاں ساحل بھی ہوتے ہیں
یہ دنیا رہ گذر ہے اور غبارِ راہ ہیں انساں
غبارِ راہ اکثر واصل منزل بھی ہوتے ہیں
تلاش ناقہ لیلی میں رہتے ہیں جو سرگرداں
وہ اک دن روشناسِ پردۂ محمل بھی ہوتے ہیں

"بروں از گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کہ از اندیشہ برتری بردآہِ سحر گاہے"

کچھ اس انداز سے چھیڑی حدیث آرزو مندی
غبارِ راہ کو تو نے عطا کی شان الوندی
جو پایا تجھ کو اپنا محرمِ اسرار فطرت نے
تجھے سونپی عروسِ علم و حکمت کی حنا بندی

جہان آب و گل سے لے اڑا "ذوقِ خودی" تجھ کو
گوارا ہو نہ سکتی تھی تجھے "جینے کی پابندی" ہم
آغوش اس شرارِ جاوداں سے ہو گیا آخر
"تری آتش کو بھڑکاتی تھی جس کی دیر پیوندی"

نشاطِ جاوداں تیرا، بہشتِ جاوداں تیری
فروغ لامکاں تیرا، فضائے لامکاں تیری

نظر سے "جلوہ آخر" کی تابانی نہیں جاتی
دلِ مہجور کی آئینہ سامانی نہیں جاتی
ہوا تیرے "شکوہِ مرگ" سے ثابت کہ مر کر بھی
پرستارانِ حق کی خندہ پیشانی نہیں جاتی
تری تربت پہ جاتے ہیں، بلاتے ہیں جگاتے ہیں
یہ نادانی سہی، لیکن یہ نادانی نہیں جاتی
تو وہ شہکار فطرت تھا کہ تجھ کو چھین کر ہم سے
نہیں جاتی" مشیت" کی پشیمانی نہیں جاتی

جہاں آباد ہے تجھ سا مگر انساں نہیں کوئی
ستارے ہیں بہت لیکن مہ تاباں نہیں کوئی

تجھے ہم عمر بھر روئیں مگر رونے سے کیا حاصل
نہ تجھ کو پا سکیں گے اپنی جاں کھونے سے کیا حاصل
ترا داغِ جدائی حشر تک دل سے نہ جائے گا
یہ ڈھل سکتا نہیں اشکوں سے منہ دھونے سے کیا حاصل

نہ پھوٹے گا نہالِ آرزو آنسو بہانے سے
یہ دانے اب زمینِ شعر میں بونے سے کیا حاصل
یہ نالے جب بدل سکتے نہیں تقدیر انساں کو
تو ان مجبوریوں پر نوحہ خواں ہونے سے کیا حاصل

نہ پایانِ طلب کوئی نہ انجامِ تمنا ہے
اثر فریادِ لہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

یہ ممکن ہے رگِ گلبرگِ تر سے ہو شرر پیدا
نہیں ممکن کوئی اقبال سا ہو پھر بشر پیدا
حیات آوارۂ دیر و حرم رہتی ہے صدیوں تک
تو بزمِ عشق سے ہوتا ہے اک صاحبِ نظر پیدا
کئی پرویز داد عیش و عشرت دے کے مرتے ہیں
تو ہوتا ہے کہیں فرہاد سا خونیں جگر پیدا
"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

نہ جانے کتنی مدت آفتاب اس غم میں جلتا ہے
تو سنگِ تیرہ لعل بے بہا بن کر نکلتا ہے

دیارِ عشق سے یارب کوئی معنی طراز آئے
بہ آہنگ حجازی پھر صدائے دل نواز آئے
فلک نے مشعلِ خورشید لے کر جس کو ڈھونڈا تھا
کہیں سے وہ امینِ دولت سوز و گداز آئے

فقیرِ رہ نشیں کو جو غرورِ خسروی بخشے
خمستانِ خودی سے وہ شرابِ خانہ ساز آئے
سرودِ رفتہ کی پھر آرزو ہے گوشِ معنی کو!
کسی وادی سے پھر اقبال سا دانائے راز آئے

ترا قسمت شناس اے گلشنِ لاہور پیدا ہو
کوئی نوحہ گرِ غرناطہ و بغداد پیدا ہو

آہ اقبال

مولانا ظفر علی خاں

گھر گھر میں یہی چرچے ہیں کہ اقبال کر مرنا
اسلام کے سر پر ہے قیامت کا گزرنا
کلکتہ و کابل میں بچھی ہے صفِ ماتم
اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا
تھا اس کے تخیل کا فسوں جس نے سکھایا
سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کا ابھرنا
ہر روز دیا اس نے مسلماں کو یہی درس
ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا
ملت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

آہ اقبال

میر سکندر علی وجد

ہر طرف سے آرہی ہے آہ و زاری کی صدا
آسمانِ علم و فن پر غم کا بادل چھا گیا
چار سو اندھیرا ہے مہر میں گہنا گیا
غمگسارِ قوم کو خود قوم کا غم کھا گیا

آگیا خزاں سارا چمن پامال ہے
سر زمینِ پاک بزم ماتم اقبال ہے

قوم کو جس نے دیے لبریز جامِ زندگی
ہو گئے سیراب لاکھوں تشنہ کامِ زندگی
جوش نے جن کا بدل ڈالا نظامِ زندگی
غرق کر دی صبح کے جلووں میں شامِ زندگی

کشتیِ دل کو سدا سیلاب پر کھیتا رہا
سست رفتاروں کو پیغامِ عمل دیتا رہا

بے سہارا ہو گئے ہیں آج دست و پائے قوم
ہو گیا بے نور آخر دیدۂ بینائے قوم
بیوگی کا ہے مرقع چہرۂ زیبائے قوم
پرتو امروز سے تاریک ہے فردائے قوم

شمع کے بجھتے ہی ساری رونقِ محفل گئی
حشر برپا ہے بنائے ملک و ملت ہل گئی

خوں بہا آنکھوں سے تُو بھی آج اردو زباں
اب حقیقت ہے تیرے اقبال کی اک داستاں
موت کے قزاق نے لوٹی تری جنسِ گراں
اور منزل سے ابھی ہے دور تیرا کارواں

تیرے جوہر دہر میں چمکانے والا مر گیا
حیف بد قسمت! ترا غم کھانے والا مر گیا

دُور کی جس نے دلوں سے گرد وہم کمتری!
رد کیا جس کی کرامت نے طلسم سامری
بے حقیقت ہو گئی الفاظ کی جادوگری
بن گیا آئینۂ جذبات فنِ شاعری!!

موت کی وادی میں بادِ زندگی چلنے لگی
اس کی محفل میں پھر شمعِ یقیں جلنے لگی

اب تری مظلوم حالت ترس کھائے گا کون
تیرے دامانِ تہی میں پھول برسائے گا کون
حسن کو تیرے اجاگر کر کے دکھلائے گا کون
برتری تیری زمانے بھر سے منوائے گا کون

کوچ دنیا سے ہوا اس مردِ جوہر دار کا
جس نے بخشا تجھ کو دل کش بانکپن تلوار کا

ہم نشیں! قلب حزیں پر داغ کھاؤں کس لیے
دید کی حسرت کا افسانہ سناؤں کس لیے

سامنے اغیار کے آنسو بہاؤں کس لیے
کیا دھرا ہے اب وہاں لاہور جاؤں کس لیے

قافلہ ہے بھی تو کیا وہ زینت محمل نہیں
اب کسی کو دیکھنے کی آرزو دل میں نہیں

فرق باطل کے لیے تو تیغ بے زنہار تھا
مرد کامل، صاحب داں، واقف اسرار تھا
تا دم آخر مے توحید سے سرشار تھا
بہر حق سارے جہاں سے برسر پیکار تھا

تھے ترے سب کام مولا کی رضا کے واسطے
دوستی اور دشمنی دونوں خدا کے واسطے

تیری آنکھوں میں بسا تھا روئے احمد کا جمال
ہیچ تھا تیری نظر میں بادشاہوں کا جلال
تیری شمشیر زباں تھی قاطع دست سوال
تیرا مسلک فقر حیدر عشق سلیماں و بلال

شمع ایماں زمانے میں اجالا کر دیا
عشق تو نے جہاں میں بول بالا کر دیا

نعمت دیدار سے عاشق کا جی بھرتا نہیں
جان دینے میں وہ ہرگز پیش و پس کرتا نہیں
ڈرتے ہیں بے دین، مومن موت سے ڈرتا نہیں
زندۂ جاوید رہتا ہے کبھی مرتا نہیں

مرتے مرتے فاش کر جاتا ہے رازِ زندگی
موت کے دامن میں پڑھتا ہے نمازِ زندگی

موسم گل تیری تربت پر گل افشانی کرے
روح پر تیری زمانہ فاتحہ خوانی کرے
بارش الطاف کی خالق فراوانی کرے
قبر پر تیری اجالا شمع ایمانی کرے

تا قیامت تجھ پر ابر فصل گل روتا رہے
تو یوں ہی آغوشِ رحمت میں سدا سوتا رہے

شاعرِ مشرق

رام کرشن مضطر

حق آشنا و خود آگاہ شاعرِ مشرق
تری نوا سے ہوا ذہنِ ایشیا بیدار
عمل کی روح بنی تیری قوتِ تغییر
بدل دیے تری نظروں نے دہر کے آثار

ترے شعور سے ابھرا وہ آفتاب یقیں
کہ جس سے وہم کی تاریکیاں ہوئیں کافور
کہا یہ تو نے ستم پرورانِ مغرب سے
نہ رہ سکے گی اب انسانیت کہیں محصور

دھڑک اٹھا دلِ آفاق تیرے سینے میں
قیود میں نہ رہی تیری فطرتِ آزاد
نہیں زوال تجھے اے مفکر اعظم
ہے استوار ترے قصر شعر کی بنیاد

وہ زندگی ترے افکار سے ہوئی پیدا
کہ جس کے نور سے روشن ہوا جہانِ حیات
تری نظر نے دکھایا وہ جادہ ہستی
بصد خروش بڑھا جس پہ کاروانِ حیات

دلیل عظمت آدم ہیں رفعتیں تیری
بلند نجم و قمر سے مقام ہے تیرا
ہے ظلمتوں میں ترا شعلہ نوا قندیل
ہر ایک دور میں صادق پیام ہے تیرا

علامہ اقبال

رام کرشن مضطر

شاعرِ مشرق! توہوا صورتِ مہرجلوہ گر
تیری تجلیات نے دہر کو جگمگا دیا
تیرا پیام آگہی عقدہ کشائے زندگی
تیری نوائے راز نے رازِ جہاں بتا دیا
تیری نگاہ دُور بین تیرا کلام دل نشیں
تو نے دلوں میں جذبۂ جوش عمل جگا دیا
شوق کو رفعتیں ملیں عزم کو قوتیں ملیں
قافلۂ حیات کو جادۂ نو دکھا دیا
گونج اٹھی ہر ایک سو تیری صدائے حریت
جور کشان وقت کے قلب کو حوصلہ دیا

حکیم الامت

گلزار دہلوی

فخرِ شیخ و برہمن وہ ہند کا فردِ عظیم
ڈاکٹر اقبال تھا کل نوعِ انساں کا ندیم

وہ مفکر شاعر مشرق طبیبِ ملک و قوم
واقفِ ویدِ مقدس، واقف قرآن حکیم

وہ برہمن زادۂ کشمیر فخر روزگار
ملت بیضا کا رہبر ہادی وہ شیخ زعیم

بھرتری و مولوی معنوی کا ہم نوا
وہ کلام اللہ کی تفسیر کا ہندی کلیم

آشنائے جورِ مغرب ناقدِ دور جدید
حال و مستقبل کا ناظر مصلح طرز قدیم

زندہ جاوید ہے آفاق میں تیرا پیام
دہر میں مشہور تیرا نام اقبال عظیم

تیری ہر آواز ہے گمراہ کو "بانگ درا"
اور ہر فرعون کو تیری صدا "ضرب کلیم"

تجھ کو سمجھیں وہ جو خود ہوں آشنائے معرفت
کب سمجھ سکتے ہیں تجھ کو بے الف ہوں یا کہ جیم
اے مجدد مجتہد تدبیر کے پیغامبر
اے خودی کے مرشدِ کامل مقدر کے فہیم

قوم کو بخشا ہے تو نے زورِ "بالِ جبرئیل"
ہے "پیام مشرق" ترا دفتر علم حکیم

تجھ میں یکجا تھیں صفات علم شیخ و برہمن
اے کہ تو یکتائے فن تھا تو زبانوں کا علیم

اے وفاقِ ہندو مسلم کے پختہ رہنما
ناظم ہفتاد و دو ملت شریعت کے نعیم

تجھ پہ صدقے کیٹس ملٹن ووڈ ورتھ اور کاؤپر
داغ کے تلمیذ کا مشہور ہے ذوقِ سلیم

زم زم و گنگا کے عاشق کعبہ و کاشی کے دوست
زمزمہ خوانِ مدینہ شمعِ راہ مستقیم

بادہ خوار کوثر و لذت کیش گنگ و جمن
گوکل و متھرا کا عاشق بندۂ رب کریم

اے مبلغ کلمۂ طیب کے اے قندیل نو
فیض گائیتری کے قائل جو ہے فانوس قدیم

تیرے اک پیغام بر حق کا مبلغ میں بھی ہوں
گلشنِ اردو میں تیری نوا موج نسیم

اے چچا استاد اے تلمیذ داغ دہلوی
بھول سکتا ہی نہیں میں تیرا پیغام عظیم

کافر ہندی ہوں میں مجذوب اردو خیر سے
واسطے اردو کے مٹ جاؤں گا میں بے خوف و بیم

جب تلک دم ہے کروں گا حفظ اردو ہند میں
میں برہمن زادہ کشمیر سیر گلزار نسیم

ہے دلیل راہ مجھ کو تیرا یہ پیغام حق
میرا نصب العین ہے تجدید آوازِ قدیم

"گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے

شاعر مشرق علامہ اقبال

رشی پٹیالوی

شاعر مشرق کہیں تجھ کو کہ فخر ایشیا
دہر میں اپنی جگہ یکتا ہے تیرا مرتبا
ذہن خوابیدہ کو تو نے درسِ بیداری دیا
تونے اسرارِ خودی سے قوم کو واقف کیا

برق ریز آتش نوائی تھی تری تقریر میں
آیۂ تسخیر سحر انگیز تھی تحریر میں

شاعر کامل، ادیب نکتہ داں، روشن ضمیر
آسمانِ دانشِ ادراک کا مہر منیر
کاروانِ ملک و ملت کی طریقت کا سفیر
تھا امیر وقت لیکن سو فقیروں کا فقیر

محرم رمز حقیقت، واقفِ اسرارِ حق
رازدارِ حکمت و عرفاں، علم بردارِ حق

تجھ سے کب دیکھا گیا حالِ پریشانِ وطن
گونج اٹھا تیری نواریزی سے ایوانِ وطن
تیرا دم بھرنے لگے سب نوجوانانِ وطن
پیروی کرنے لگے تیری ادیانِ وطن

اک نوائے نکتہ دانی تھی ترے اشعار میں
اک ادائے گل فشانی تھی تری گفتار میں

جلوہ ساماں تھی ترے قلب و جگر میں روشنی
طبع روشن کو تھی کیا کیا علم و فن سے آگہی
تو کہ تھا اک ناز بردارِ عروس زندگی
تھے تری نظروں میں آدابِ جنوں و عشق بھی

ترے دل آویز نغمے درس آموز حیات
تیرے جاں افروز نالے حاملِ سوزِ حیات

تھی بجا اہل نظر سے شکوہ سامانی تیری
قوم کے حال پریشاں پریشانی تری
صحن و ایوانِ وطن میں مرثیہ خوانی تری
ملت مظلوم کے حق میں سخن دانی تری

زندگی بخش امم ٹھہری تری فکر رسا
صورِ اسرافیل نکلا نالہ و نغمہ ترا

منزلِ مقصود ہستی کا نشان تو نے دیا
زندگی کو اک پیام جاوداں تو نے دیا
کارواں کو اعتمادِ کارواں تو نے دیا
جذبۂ جوش و خروش بیکراں تو نے دیا

تو نے ذروں کو پہنا ڈالی قبا انوار کی
معجز آرائی مسلم ہے ترے افکار کی

دہر میں اپنی جگہ یکتا ہے تیرا مرتبہ
شاعر مشرق کہیں تجھ کو کہ فخر ایشیا

متاعِ حیات

ڈاکٹر فضل امام

وہ تھا منارۂ فکر و نظر، متاعِ حیات
اور۔۔۔۔۔۔
وہ شعور کی منزل کا اک خلاصہ تھا
وہ، جس نے فن کو عطا کر دی ہے، شعاعِ حیات،
وہ، جس کے عزم کے آگے تھا پست، کوہ گراں،
وہ، جس نے بخشی شعورِ نگہ کو آزادی،
وہ، جس کے نطق میں نانک کا تھا پیام وفا،
وہ، جس کی روح میں چشتی کی عارفانہ حیات
وہ، جس نے مندر و مسجد کو ایک کر ڈالا،
نئے سوالوں کی بنیاد جس نے رکھی تھی۔
نگاہ جس کی براہیمی،
فکر جس کی خلیل،
عروج عزم حسینی کی تھی جھلک جس میں،
وہ جو کہ بحر حقیقت کا اک شناور تھا،
حیاتِ نو کی امیدوں کا ایک خاور تھا،
تفلسفِ نظری کا بلند پیکر تھا،
تفکر بشری کا وہ بام اور در تھا،
مری جبینِ عقیدت جھکی ہے اس کے حضور،
مرا خرابۂ فن تا کہ ہووے تابندہ،

اقبال

مومن خاں شوق

اقبال، خاک و باد کے منظر کی دلکشی
اقبال ارتقائی منازل کی زندگی
اقبال ظلمتوں میں شعورِ نظر کی رو
یخ بستہ حوصلوں کے لیے زندگی کی ضو
اقبال، حق شناس و حقیقت شناس ہے
تہذیبِ فکر و فن میں خرد کی اساس ہے
اقبال فلسفی بھی ہے شاعر بھی، شخص بھی
رنگوں کا امتزاج بھی، چہرہ بھی، عکس بھی
اقبال، معرفت کے اجالوں کی روشنی
اور رہ نورد شوق میں منزل کی آگہی
اقبال، حسن لالۂ و گل کی مہک کا نام
مے خانۂ الست سے لبریز جیسے جام
اقبال، جس کے فکر کی قامت بلند ہے
دانش کی اس صدی میں بہت ارجمند ہے

علامہ اقبال

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

سینہ تھا ترا مشرق و مغرب کا خزینہ
دل تھا ترا اسرار و معارف کا دفینہ
ہر شعر ترا بام ترقی کا ہے زینہ
مانند مہ نو تھا فلک سیر سفینہ

اس ساز کے پردے میں عرفاں کی آواز
کیا عرش سے ٹکرائی ہے انساں کی آواز

سچ تلخ تھا لیکن اسے شیریں کیا تو نے
تلخابہ غم کو شکر آگیں کیا تو نے
تعلیم خودی دے کے خدابیں کیا تو نے
کنجشک فرومایا کو شاہیں کیا تو نے

پر ٹوٹے تھے جن کے انھیں پرواز عطا کی
گونگے تھے جو انسان انھیں آواز عطا کی

دل تیرا مے عشق سے لبریز تھا ساقی
اور درد کی لذت سے طرب خیز تھا ساقی
قطرہ تری مے کا شرر انگیز تھا ساقی
ساغر ترا گل بیز و گہر ریز تھا ساقی

تف مے پہ جو سنبھلے ہوئے انساں کو گرا لے
وہ مے تھی ترے غم میں جو گرتوں کو سنبھالے

وہ عشق جو انساں کی ہمت کو ابھارے
وہ عشق جو دنیا میں بگڑتے کو سنوارے
جس عشق سے غیر بھی بن جاتے ہیں پیارے
جس عشق کے اشکوں سے فلک پر بنے تارے

وہ عشق تھا تیرے دل و جاں رگ و پے میں
جس طرح نشہ ئے میں ہے اور نغمہ ہے نَے میں

منزل ہی نہیں جس کی کہیں پر وہ ترا شوق
سیارہ گردوں کو نہ ہی تخت نہ ہی فوق
آزادی انساں کا ترے دل میں تھا کیا ذوق
زنجیر علائق نہ توہم کا کوئی طوق

وہ بحر تفکر کہ نہیں جس کا کنارا
سیلاب نہیں ڈھونڈتا ساحل کا سہارا

حکمت ہمیں دی شعر کی صہبا میں ڈبو کر
حق ہمیں پیش کیا سوز نہانی میں سمو کر
جس نخل کا دنیا میں گیا تو بیج بو کر
اک روز رہے گا وہ فلک بوس ہو کر

رس عشق کا اس نخل کی رگ رگ میں چلے گا
ہر سمت میں وہ پھولے گا پھیلے گا پھلے گا

سمجھایا ہمیں کیا ہے بری چیز غلامی
ہے جس سے زبوں ہو کوئی گمنامی کہ نامی

محکوم ہے تو، تو تری فطرت ہے خامی
آزادی افکار سے انساں ہے گرامی

آزاد ہے دنیا میں ہے اللہ کا شہکار
ہر بندہ آزاد ہے تقدیر کا معمار

ہندی تھے غلامی کے نشے میں کبھی مدہوش
تھے سر پہ رکھے فخر سے اغیار کی پاپوش
حیوانوں کا مقصد تھا فقط خواب و خور و نوش
بے عزت و بے غیرت و بے ہمت و بے جوش

رسوائی میں جو مست تھے ہشیار ہوئے ہیں
صدیوں سے جو سوتے تھے وہ بیدار ہوئے ہیں

ڈھانچا جو غلط تھا تہ و بالا کیا تو نے
دنیا کے اندھیرے میں اجالا کیا تو نے
اس قوم میں کیا کام نرالا کیا تو نے
منہ جھوٹ کا اور مکر کا کالا کیا تو نے

تہذیب و سیاست کی طلسمات کو توڑا
سچائی سے ہر جھوٹی کرامات کو توڑا

اقبال تو پیغامبر عشق و عمل ہے
انسان کی ترقی کا قانون اٹل ہے
یہ نغمہ جاوید ہے یا ساز ازل ہے
ہاں زیست کی مشکل کا فقط ایک ہی حل ہے

جاں صرف عمل اور ہو دل عشق سے لبریز
اٹھتا ہے یونہی جادہ ہستی میں قدم تیز

عاقل تھا مگر عقل کے پیچاک سے آزاد
اور حکمت افرنگ کے فتراک سے آزاد
دنیا میں تھا دنیا کے غم و باک سے آزاد
خاکی تو وہ بے شک تھا مگر خاک سے آزاد

ہے دل کی جگہ دور کہیں ارض و سما سے
ہوتا ہے جہاں بندہ ہم آغوش خدا سے

ہادی ہے وہ انساں کو جو آگے بڑھا دے
تاریکی میں انساں کے ہاتھوں میں دیا دے
جو عقل پہ پردے ہیں ان کو ہٹا دے
صیقل کرے آئینۂ دل اس کو جلا دے

ہر قلب کو تقدیر حقیقی نظر آئے
اور آنکھ کی تصویر حقیقی نظر آئے

اقوام ہوں جس بانگ سے بیدار وہ پیغام
انسان ہوں مے عشق سے سرشار وہ پیغام
ہو بارِ امانت سے گراں بار وہ پیغام۔
ہر روح حقیقت س ہو دو چار وہ پیغام

وہ جوش کہ انساں ابھر جاتے ہیں جس سے
کھوٹے بھی کھرے بن کے نکھر جاتے ہیں جس سے

کہتے ہیں سخن ور کہ تھا شاہ سخن اقبال
ظاہر میں فقط شعر میں تھا اہل فن اقبال
ہے اصل حقیقت یہ کہ تھا بت شکن اقبال
مولا کو وطن کہتا تھا یہ بے وطن اقبال

اس جسم میں تھا روح کی معراج کا طالب
انسان کے لیے دل کے سوا راج کا طالب

عارف کی نظر اپنے وطن تک نہیں محدود
کیوں اس کی نظر ہو در و دیوار میں مسدود
گو حب وطن اس میں تھی اک جذبہ محمود
اقبال نے دھرتی کو بنایا نہیں معبود

خالی جو نہیں کرتا ہے افلاک کی پوجا
کس طرح سے کر سکتا ہے وہ خاک کی پوجا

عارف کی نظر گاہ وہی اس کا وطن ہے
پورب ہے نہ پچھم ہے نہ اتر نہ دکن ہے
ندی کوئی اس میں ہے نہ پربت ہے نہ بن ہے
نے دیر و حرم کی کوئی تعمیر کہن ہے

نے شرق کا گرویدہ نہ افرنگ کا عاشق
کس طرح سے ہو وہ جمن و گنگ کا عاشق

کم کوئی ہے اس غم کدۂ دہر میں آیا
جس نے وطن اپنا دل انساں میں بنایا

انسان کی توقیر میں وہ راگ ہے گایا
موسیقی جان بن کے جو جانوں میں سمایا

یہ راگ ہے وہ کون و مکاں ساز ہے جس کا
روحوں میں نہاں اور عیاں راز ہے جس کا

تو شیخ سے بیزار اور برہمن سے بھی بیزار
نے اس کا پرستار نہ تو اس کا گرفتار
دولت کا شکار نہ سیاست کا گنہگار
افکار سے مستقبل اقوام کا معمار

جس آبلہ فریبوں میں ہے مکتی کا اجارہ
تعلیم سے تیری ہے بہت ان کا خسارہ

ہر شعر سے اٹھتا ہے سدا نعرۂ تکبیر
خوں ہے سیاہی ہے قلم تیری ہے شمشیر
اشعار ترے کاتبِ تقدیر کی تحریر
آئینہ بکف نہیں ہیں اقوام کی تقدیر

مضراب ترے شعر ہیں انسان کا ساز
فطرت ترے نغموں پہ رہی گوش بر آواز

یہ شعر ہے کہتے جسے جزوِ نبوت
یہ شعر ہے شاگردیِ رحمٰن کی آیت
یہ شعر بدل دیتا ہے انسان کی حالت
اس شعر میں عالم لاہوت کی دولت

یہ شعر حقیقت میں ہے پروردہ الہام
نعمت ہے بہت خاص مگر فیض بہت عام

جس کا ہو کلام ایسا کلیم اس کو ہیں کہتے
حکمت سے ہو لبریز حکیم اس کو ہیں کہتے
افکار کی جنت نعیم اس کو ہیں کہتے
اے صاحبِ دل طبع سلیم اس کو ہیں کہتے

انسان ہے اللہ کا معشوق اسی سے
خاکی یہ ہوا اشرفِ مخلوق اسی سے

اقبال کے ہیں شعر، سخنداں کی زباں پر
اقبال کے اقوال ہوئے نقش ہیں جاں پر
اقبال کے ہیں تیر سیاست کی کماں پر
تیغوں کو جلا دیتے ہیں اس سنگ فساں پر

رنگ اپنا چڑھایا کا جر خطیبوں پہ چڑھایا

اب دل میں ہے ہر ایک کے پیدا وہی انداز
اب قوم کی آواز بنی ہے تری آواز
الفاظ میں تیرے ہے کوئی سحر کی اعجاز
بجتا ہے ہر ایک رنگ کی محفل میں وہی ساز

اشعار تیرے پیرو جواں سب کو ہیں ازبر
محفل کی ہیں رونق تو کہیں گرمی منبر

تھے صاحبِ دل رومی و عطار و سنائی
تھی جس کی خودی آئینہ ساز خدائی

لَے عالم ارواح کی انسان کو سنائی
کچھ لذتِ وصل اس میں ہے کچھ درد جدائی

ایسے ہی فقروں کا ہم آہنگ تھا اقبال
مردانِ خدا دوست کا ہم رنگ تھا اقبال

انسان کا کیا قصور ہے اس دیر کہن میں
قرنوں ہی میں آتا ہے اویس ایک قرن میں
سمجھائے انھیں کون جویاں مست ہیں دھن میں
دولت جو حقیقی ہے وہ انساں کے ہے من میں

اس دولت سرمد کا شہنشاہ تھا اقبال
فطرت کی گواہی ہے حق آگاہ تھا اقبال

کام ایسا جو کرتا ہے وہ مرتا نہیں ہرگز
ایسے جو جئے وہ موت سے ڈرتا نہیں ہرگز
دنیا سے گیا، دل سے نکلتا نہیں ہرگز
اس صفحہ سے ہر نقش اترتا نہیں ہرگز

جب تک کہ دل افروز یہ پیغام ہے باقی
عالم کے جریدے پہ ترا نام ہے باقی

شاعر مشرق

علامہ اقبال کی برسی پر

فارغ بخاری

شاعر مشرق تیرا جامہ تھا راہوارِ سخن
مجھ کو ورثے کو ملی تیری برہنہ پائی
رکھ لیے آنکھوں میں، میں نے ترے نقش کفِ پا
میں نے تیرے سفر فن کی ادا اپنائی
ڈر کے جو ترک کیا، تیرے حُدی خوانوں نے
میں نے اس نغمے کی لے اپنے سروں میں گائی
کتنی صدیوں کے سسکتے ہوئے ارمانوں نے
میرے اشعار میں اظہار کی صورت پائی
محتسب مجھ سے خفا، شیخ کبیدہ خاطر
بارگاہوں کو کھٹکتی ہے میری گویائی
شاعر مشرق تیرا معجزہ فن ہے یہی
ذرہ خاک کو گردوں سے ملایا تو نے
کتنے دم توڑتے جذبوں کو زبانیں دے کر
قطرۂ اشک میں طوفان اٹھایا تو نے
دے کے تعلیم خودی یاس زدہ لوگوں کو

زندگی بسر کرنے کا انداز سکھایا تو نے
ہر طرف پھیلے تھے منحوس خزاں کے سائے
پیار سے روٹھی بہاروں کو منایا تو نے
دردِ دل اپنا زمانے کے لیے عام کیا
خونِ دل دے کے گلستاں کو سجایا تو نے

تیری بے باکی سے سب اہل دول نالاں تھے
تیری حق گوئی سے برہم تھا امیروں کا مزاج
تیرے افکار سے تھی دیر و حرم کو پرخاش
تیرے اظہار کے انداز سے سہمے تھے کاخ کہنہ
ذہنوں کے صنم خانوں کو توڑا تو نے
تیری ٹھوکر پہ تھے سب عظمت و جبروت کے تاج
تجھ کو نفرت تھی زر و سیم کے ایوانوں سے
طالب جاہ نہ تھا تیرا فقیرانہ مزاج
یہ قصیدہ نہیں اظہار حقیقت ہے فقط
اک شاعر کی طرف سے ہے یہ شاعر کو خراج

شاعر مشرق تیرے درس بغاوت کے طفیل
میں نے پیدا تن مردہ میں حرارت کی ہے
اس لیے حریف رسن و دار ہوں میں
میں نے مظلوموں کے طبقے کی حمایت کی ہے

میں نے جمہور کے غداروں کو للکارا ہے
میں نے قاتل سے الجھنے کی جسارت کی ہے
حاکمِ شہر ہے نالاں مری بے باکی سے
میں نے ہر دور میں اظہار کی جرأت کی ہے
میں نے انسانوں کے ترشے ہوئے بت توڑے ہیں
میں نے پتھر کے خداؤں سے بغاوت کی ہے

میں نے اے شاعرِ جمہور قسم کھائی ہے
تیرا پیغام فراموش نہ ہونے دوں گا
میں نے یہ عزم کیا ہے کہ کسی قیمت پر
فکرِ فردا کو غمِ دوش نہ ہونے دوں گا
میں تیری یاد مناؤں گا بہ اندازِ دگر
تیرے اعجاز کو روپوش نہ ہونے دوں گا
میں تری قوم کے افلاس زدہ بندوں کو
آمرِ وقت کو پاپوش نہ ہونے دوں گا
جاں لٹا دوں گا، رہِ دشتِ جنوں میں لیکن
تیری آواز کو خاموش نہ ہونے دوں گا

اقبال

فارغ بخاری

اے شہنشاہِ سخن اے تاجدار شاعری
حضرتِ اقبال اے پروردگار شاعری
سالک راہ ابدی خضرِ صراط المستقیم
تجھ کو بخشا تھا خدا نے جوہر عقل سلیم
سرمدی نغموں سے تھا معمور تیرا ساز عشق
آشکار کر دیا عالم پر تو نے رازِ عشق
اے مسیحائے سخن اے ناخدائے زندگی
تیرے بدلے میں تھی پوشیدہ نوائے زندگی
فقر کی تعلیم اس پیرائے میں دیتا ہے تو
دل امیروں اور شہنشاہوں کے موہ لیتا تھا تو
کون آ کر پھر بتائے گا ہمیں رازِ خودی
کون پھر چھیڑے گا آکر بربطِ سازِ خودی
کون دے گا آکے پھر پیغام آزادی ہمیں
کون دے گا بادۂ گلفام آزادی ہمیں
آ کہ تیری جانفشانی یاد آتی ہے ہمیں
یاد تیری خون کے آنسو رلاتی ہے ہمیں
آ تجھے سمجھا ہے ہم نے قوم کے غم خوار آ
قدر تیری ہم نے جانی سید الاحرار آ
ملت اسلام کے اے قافلۂ سالار آ
پھر غلام آباد میں بہر خدا اک بار آ

علامہ اقبال کی یاد میں

محمور جالندھری

یہ مانا سب کو ایک دن تلخ جام موت پینا ہے
یہ مانا اس خراب آباد میں دو روز جینا ہے
مگر تا حشر جن کی موت پر روئے گی یہ دنیا
وہ تھے اقبال، جن کے غم میں جاں کھوئے گی یہ دنیا

غنیمت ہیں وہ بعد موت بھی جو زندہ رہتے ہیں
جو سورج بن کے ظلمت زار میں تابندہ رہتے ہیں

جہاں میں موت سے ڈرتا نہیں آتش نوا شاعر
جہاں فانی سہی، مرتا نہیں معجز نما شاعر
ترے اشعار اے اقبال درسِ دین و حکمت ہیں
سکونِ خاطرِ غمگیں ہیں اور شمعِ ہدایت ہیں

تو اب بھی رہبر منزل ہے میر کارواں ہو کر
ابھی تک تیرے نغمے گونجتے ہیں داستاں ہو کر

تری نظمیں ہیں عرفانِ خودی کا شاہکار اب بھی
ترا پیغام آزادی ہے درسِ کامیاب اب بھی
حقیقت پاس جلووں کی امیں فکر رسا تیری
کہ ہے اوجِ ثریا پر مکیں فکر رسا تیری

تو اب بھی دستگیری کر رہا ہے بے نواؤں کی
غلاموں، فاقہ مستوں، بیکسوں غم آشناؤں کی
ترے دیواں کا ہر ہر شعر ہے جانِ طرب اب بھی
تجھے کہتے ہیں سب پیغمبر علم و ادب اب بھی

اقبال جنت میں

روشن دین تنویر

رضواں نے بصد ناز کہا آ گیا اقبال
فردوس میں ہنگامہ ہوا آ گیا اقبال
ہے رقص کناں بادِ صبا آگیا اقبال
لہرانے لگی ساری فضا آ گیا اقبال

مرغانِ ازلی اجنہ ہیں زمزمہ خواں سب
حوروں کے تبسم سے چمک اٹھا جناں سب

اک موج طرب پیکر تسنیم سے اٹھی
مستی سی مزامیر زر و سیم سے اٹھی
خوشبوئے شفاعت حرم میم سے اٹھی
رحمت کی گھٹا حجلہ تکریم سے اٹھی

تکبیر کے نعروں میں بڑھا جاتا ہے اقبال
فردوس کے پھولوں سے دبا جاتا ہے اقبال

ہاتف غیبی

اک نور کے بادل سے ندا آئی کہ خاموش
تھے سب ہمہ تن گوش تجلی سے ہم آغوش
یوں کوئی مخاطب تھا کہ اے ہوش جنوں پوش
یہ ملک ہے فردوس نہ فردا ہے نہ یہاں دوش

یاں کام نہیں شام سے تجھ کو نہ سحر سے
آزاد ہے تو دام گہ شمس و قمر سے

ہیں اہل جناں دیر سے دیدار کے مشتاق
نوری ہیں تری گرمیِ گفتار کے مشتاق
کچھ اہل زمیں ہی نہیں اسرار کے مشتاق
اس خطہ کے ساکن بھی ہیں اشعار کے مشتاق

ہے حکم ہمارا لب اعجاز نما کھول
کس حال میں ہیں عالم سفلی کے مکیں بول

اقبال کا جواب

احوال ہے یا رب تری دنیا کا المناک
زہریلے خیالوں سے فضا ساری ہے ناپاک
دامانِ وفا دست تمرد سے ہوا چاک
باقی ہے محبت نہ صداقت تہ افلاک

تبدیل ہوا نظریہ زیست جہاں کا
اب نام نہیں لیتا کوئی حفظ و اماں کا

گھمسان کا معرکۂ سود و زیاں اب
ابلیس کے قبضہ میں ہے اقلیم جہاں اب
بیکار ہوئے تیغ و سناں تیر و کماں اب
یا بم ہیں یا ہر سمت ہے گیسو کا دھواں اب

طوفاں اٹھے گا، ہے قرائن سے ٹپکتا
پھر قعرِ جہنم سے ہے شعلہ سا لپکتا

آمادہ پیکار نظر آتی ہے دنیا
آپ اپنے سے بیزار نظر آتی ہے دنیا
پھر امن کی بیمار نظر آتی ہے دنیا
فتنوں کی طلبگار نظر آتی ہے دنیا

اس آگ سے بچ سکتے نہیں ارض و سما بھی
مٹی بھی بھڑک اٹھے گی پانی بھی ہوا بھی

ہر قطرہ لہو کا ہے مچل جانے کو تیار
مَے کی طرح ساغر سے اچھل جانے کو تیار
افراد سے افراد بدل جانے کو تیار
اقوام کو اقوام نگل جانے کو تیار

پھر ڈھونڈتے ہیں لوگ الجھنے کا بہانہ
لا تفسدُوا فی الارض کا منکر ہے زمانہ

خطبہ یہ سناتے ہیں فقیہان فرنگی
حقدار ہیں جینے کو نہ اصفار فرنگی
مچھلی کو سمندر میں ہے دم لینے کی تنگی
حاوی ہے ہر اک قطرے پہ آئین نہنگی

دب سکتا ہے جو زیر زمیں اس کو دبا دو
کمزور کو اب صفحۂ ہستی سے مٹا دو

ہیں سخت بہت بندۂ مزدور کے اوقات
دن چین سے کٹتا ہے نہ آرام کی ہے رات
غم خانۂ نادار طرب خانۂ آفات
سرمائے سے مضبوط ہے صنعت کا طلسمات

پھیلا ہوا ہے زیرِ فلک دام کلوں کا
آدم سے لیا جاتا ہے اب کام کلوں کا

فطرت کا نوا ساز جسے کہتے ہیں اسلام
کونین کا وہ ناز جسے کہتے ہیں اسلام
رحمت کی وہ آواز جسے کہتے ہیں اسلام
وہ دل کا ترے راز جسے کہتے ہیں اسلام

وارث نہیں اس وقت اس اسلام کا کوئی
وارفتہ نہیں اب تو ترے نام کا کوئی

دریا ہے طلاطم ہے شکستہ ہے سفینہ
دہشت سے پھٹا جاتا ہے ہر ایک کا سینہ
موجوں کے خم و پیچ ہیں موت کا زینہ
ہر قطرے کے دل میں ہے بھری آتش کینہ

اب کون ہیں اس کشتی لرزاں کے طرفدار
ملاح تلک ہو گئے طوفاں کے طرفدار

سر ہونے نہ پایا تھا ابھی نالۂ مضطر
ٹپکا لب اقبال پہ اک قطرۂ کوثر

تسکین کی پھوہار برسنے لگی اس پر
قندیل مقدس سے ہوئی روح منور

پھر کان میں آنے لگے معصوم ترانے
لوٹ آئے وہی جنت ماویٰ کے زمانے

باطن کی کھلی آنکھ، وقت کا پردہ
سب دور ہوا فرق ازل اور ابد کا!
کثرت کا جو دریا ہے وہ وحدت کا ہے دریا
وہ ایک رہا، ایک ہے، اب ایک رہے گا

ڈالی جو نظر صاف تھا آئینۂ تقدیر
تھی اس میں جھلکتی مگر اعمال کی تصویر

روشن ہے مگر خلد نشینوں کی نظر میں
کل کون سی ڈھالیں گے وہ بینائے قمر میں
وہ دیکھتے ہیں کھیت کو بجلی کے شرر میں
اور دورِ جہاں تولتے ہیں نجم سحر میں

ہے سامنے پھر عالم حادث کا نظارہ
صنم ہے یم امروز ہے فردا کا کنارہ

پھر رافت فطری سے ہم آغوش ہے دنیا
شہ راہ صداقت پہ عمل کوش ہے دنیا
الفت کی ہے لے اور ہمہ تن گوش ہے دنیا
خاموش ہے پُرجوش ہے با ہوش ہے دنیا

اک گوشہ میں سر دھنتا ہوا دھنتا ہے ابلیس
خار اپنی ہزیمت پڑا چنتا ہے ابلیس

کوثر کے کنارے پہ ہے اقبال نوا زن
طوبیٰ کے سر شاخ ہے بلبل کا نشیمن
مضراب خودی سے وہ بپا کرتا ہے گلشن
نغمہ کبھی نسرین ہے، کبھی گل کبھی سوسن

کہتے ہیں ملائک کہ دل آویز ہے اقبال
حوروں کو شکایت ہے کہ کم آمیز ہے اقبال

اشکِ خونیں

حسرت موہانی

عاشقی کا حوصلہ بیکار ہے تیرے بغیر
آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر
کاروبارِ شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں
دل پہ ذوقِ شاعری اک بار ہے تیرے بغیر
شرکتِ بزمِ سخن سے بھی ہمیں باوصفِ عزم
بربنائے بے دلی انکار ہے تیرے بغیر
جس فراغت کا تمنائی تھا میں تیرے لیے
اب وہ حاصل ہے تو اک آزار ہے تیرے بغیر
دردِ دل جو تھا کبھی وجہِ مباہات و شرف
بہرِ حسرت موجبِ صد عار ہے تیرے بغیر

ماتم اقبال

جگن ناتھ آزاد

پھر نالہ ہائے غم سے ہے لبریز دل کا ساز
پھر ہو گیا ہے دیدۂ حیراں گہر طراز

وہ حق شناس فلسفی، وہ مرد نکتہ داں
وہ باکمال شاعر و درویش و پاک باز

نغمے تھے جو سخنورِ عالی دماغ کے
مشرق میں دل پذیر تو مغرب میں جاں نواز

تیرے اجل نے اس کو نشانہ بنا لیا
تھا ہم کو آہ جس کے کمالِ سخن پہ ناز

محفل سے آج ساقیِ محفل ہی اٹھ گیا
آزاد اب کہاں وہ شراب جگر گداز

ہر بزم وقف نالۂ غم ہے ہزار حیف
خوں نابہ بار دیدۂ غم ہے ہزار حیف

اقبال اے جہان معانی کے تاجدار
اے رومی و ثنائی و غالب کی یادگار

معنی کو تجھ پہ فخر تخیل کو تجھ پہ ناز
نازاں تھا تجھ پہ مشرق و مغرب کا ہر دیار

آتش کا سوز گل کی مہک برق کی تڑپ
سو جاں سے ہو گئے ترے تخیل پہ نثار

تو نے سخن کو زندۂ جاوید کر دیا
تیرے نفس نے دی چمن شعر کو بہار

دو گز زمین آہ تجھے راس آگئی
شہر پہ تیری تنگ تھا دامانِ روزگار

گو زہر خاک کالبدِ خاک آگیا
تو روح بن کے عالم جاں میں سما گیا

اے مزرعہ سخن پہ برستے ہوئے سحاب
اے مطلع وطن کے درخشندہ آفتاب

جاں بخش تیری نظم کا ہر استعارہ ہے
ہر لفظ بے مثال ہے ہر شعر لاجواب

اب آکے کون دے گا کلِ شعر کو مہک
بخشے گا کون گوہر معنی کو آب و تاب

کہتے ہیں ترجمانِ حقیقت بجا تجھے
ہر رازِ حق تھا دیدۂ باطن پہ بے نقاب

رتبہ تری خودی کا نہایت بلند تھا
تجھ کو ترے خدا نے کیا بارہا خطاب

اس دور میں تو آگہِ رازِ قدیم تھا
جو ہو جلوۂ حق وہ کلیم تھا

جس کی صداؤں پہ ہمہ تن گوش تھے سروش
وہ جام روح پرورِ عرفاں کا بادہ نوش

جس کی نوا سے نادرِ افغاں تڑپ اٹھا
اُف، ہوگیا وہ شاعرِ آتش نوا خموش

رنگین تھا جس کے حسنِ تخیل سے برگِ گل
جس گرج سے موج طوفاں میں تھا خروش

سینوں میں جس نے قوتِ گفتار سے بھرا
صہبائے بے خودی کا سرور و عمل کا جوش

جس کے ہر ایک نفس میں تھا میخانۂ حیات
تربت ہے اس کی سایۂ مسجد میں سبز پوش

ہے خاک میں وہ عرشِ معانی ہزار حیف
اے انقلابِ عالم فانی ہزار حیف

اقبال

حرمت الاکرام

وہ آسمانِ حکمت کا وہ عظمت کا سمندر
اک ایسا پیمبر جو کہا جائے سخنور
غرقاب ہوا جب تو کہا آن لگے پار
تھا ایک جو پایانِ جنوں کا وہ شناور
وارا کیا سرمایۂ دانش کے خزینے
وہ خامۂ قرطاس کی نگری کا قلندر
ماتھے پہ لئے مہر منور کی امانت
اک شخصیت ایسی، افقِ شرق کا جھومر
آسودۂ غم، سوزِ نشاں، فاتح صد اوج
وہ درد کی آنکھ، عشق کا دل، فکر کا شہپر
مجذوب فرنگی کا اک ناقدِ طناز
رومی کا وہ اک مدح کشِ خود گرو خود ساز
کہتا تھا کہ اس رزق پہ دو موت کو ترجیح
وہ رزق جو ہو باعث کوتاہی
رمز آشنا وہ شیوۂ شعلہ نفسی کا
وہ محرم خوش کوشئ آئینِ تگ و تاز
ہر شورش آشوبِ جہاں سے متصادم
ملت کی وہ اک آہ وہ قرآن کی آواز

حق جس کی رضا ہے خودی کا وہ سراپا
وہ شوخ نظر لیلیِ فطرت کا وہ ہمراز
اعجازِ تکلم کا اچھالا ہوا موتی
اجلال تفکر کا وہ پالا ہوا موتی
سرخوشیِٔ امکاں کا تراشا ہوا موتی
سرمستیِ عرفاں کا کھنگالا ہوا موتی
زندانِ شب و روز کا وہ بندۂ آزاد
بیتابیِ پنہاں کا صدف جس کا وطن تھا
تکمیل کو پہنچا تو وہ چھالا ہوا موتی
تابندۂ خاں خاک تو کہلائی ستارہ
پائی جو چمک دل کی ہمالا ہوا موتی

اقبال

مظفر وارثی

میرے شعور میرے قلم کا سلام لے
اے شاعرِ عظیم خراجِ کلام لے
طغری نہ کوئی میں نے خریدا لکھا ہوا
ہے لوحِ جاں پہ تیرا قصیدہ لکھا ہوا
راہِ ادب میں جب تری پرچھائیاں ملیں
رفعت نظر کو ذہن کو گہرائیاں ملیں
ہر دل پہ نقش ہے تری فکر جمیل کا
تو نے قلم بنایا پرِ جبریل کا
خم ہر امام وقت کا سر تیرے نام پر
روشن ترے چراغ ہواؤں کے بام پر
تھا غزنوی کا تو متلاشی ایاز میں
دیکھا حقیقتوں کو لباسِ مجاز میں
ٹکرائیں وحشتیں تری کوہِ حیات سے
آئینہ خودی نہ گرا تیرے ہاتھ سے
اپنے جگر کا خوں رگِ دوراں میں بھر گیا
دریا کی تہ میں مشعلیں لے کر اتر گیا
مالک سمندروں کا سرابوں نے کر دیا
بیدار قوم کو ترے خوابوں نے کر دیا
شاعر بھی تھا نقیب بھی تھا فلسفی بھی تھا
تو رند تھا مگر ترے اندر ولی بھی تھا

نذرِ اقبال

احسن مارہروی

اے ادیبِ خوش بیاں اے شاعر شیریں زباں
تیرے سوز و ساز سے معمور ہے سارا جہاں
تیری میٹھی بات ہے ایران کی شاخِ نبات
طوطیِ شیراز جس کی مدح میں رطب اللسان
عودِ ہندی بن کے پھیلی تیرے نغموں کی صدا
تو ہے شاگردِ رشید بلبلِ ہندوستاں
معرفت کا فلسفہ سیکھا ہے پیرِ روم سے
اور فصیح الملک سے پایا فصاحت کا نشاں
ساحری ہے شاعری تیری کہ ہے پیغمبری
ہے طلسم معنوی میں جس کے اعجازِ بیاں
تیری تصنیفات ہیں آئینہ بردار کمال
جن سے جوہر تیرے مثلِ روزِ روشن ہیں عیاں
کردیا وہ راز اسرارِ خودی نے منکشف
نفس کی عزت بڑھی جس سے، بنا دل نکتہ داں
ہیں رموزِ بے خودی میں وہ کنائے درشگاف
عظمتوں نے کر دیا تھا جن کو پردے میں نہاں
ہے زبورِ فارسی تشریحِ اسرار و رموز
جس نے کھولی ہیں سراسر معرفت کی گتھیاں

کی عطا جاوید نامے نے حیاتِ سرمدی
سلسلہ جس کا زمیں سے چل کے ہے تا آسماں
ہے پیام مشرق ایسا کارنامہ جس کے بعد
بن گئی مجذوب کی بڑ گوئٹے کی داستاں
نیل ڈالے جس نے سینوں میں وہ ہے ضرب کلیم
جس سے ہر فرعون بے ساماں کا دل ہے نیم جاں
نام جس مجموعے کا مشہور ہے بانگِ درا
اس نے چونکایا جہاں کو کارواں در کارواں
اور اک تصنیف اردو یعنی بالِ جبریل
اس کا شہباز تخیل عرش پر ہے پُر فشاں
علم کی دنیا میں حاصل ہے قبولِ عام انھیں
مستفیض و مستفید ان سے ہیں سب خورد و کلاں
قصہ کو تہ تیرے ارشادات و ملفوظات نے
اہلِ حکمت سے بڑھا دی آبروئے شاعراں
ورنہ یہ تھی شاعروں کی قدر و عزت ملک میں
ہو کوئی احسن تو اس پر بھی تھا اکذب کا بیاں
زندہ باد اے مصلحِ آئینِ حکمت زندہ باد
اور کیا کہیے کہ روشن تر ترا احوال ہے
تو بلند اقبال و خوش اقبال و سر اقبال ہے
دی حیات تازہ تو نے اے مسیحائے زماں

ترانۂ مسرت

میر غلام بیگ نیرنگ

فصلِ بہار آئی ہے گلشنِ سخن میں
اِک جشن ہو رہا ہے مرغانِ نغمہ زن میں
وہ مژدۂ مسرت لائی صبا چمن میں
پھولے نہیں سماتے پھول اپنے پیرہن میں
گلشن کے سبز پوشو جھٹ پٹ سنگار کر لو
عطرِ عروس مل دو پھولوں کے پیرہن میں
ہاں موہنی ادا سے سنبل کی کنگھی چوٹی
نرگس" لگائے سرمہ چشمانِ سحر وفن میں
غنچوں کو حکم دے دو، دیں دادِ کج کلاہی
تیکھی ادائیں نکلیں، نسرین و نسترن میں
ہر غنچہ مسکرائے، ہر پھول مسکرائے
ہر برگ لہلہائے رونق رہے چمن میں
ہو اہتمام ایسا آرائش چمن کا
باقی رہے دقیقہ کوئی نہ بانکپن کا
سرو سہی سے کہہ دو ناچے ذرا لبِ جو
قمری ترانہ گائے جلسہ اڑے چمن میں
یورپ کی سیر کر کے اقبال واپس آئے
خوشیاں منائیں مل کر اہلِ وطن، وطن میں

ہے آمد مسرت اقبال تیری آمد
خوشیاں ہیں اہلِ دل میں عیدیں ہیں اہلِ فن میں
سر آنکھوں پر بٹھایا یورپ میں تجھ کو سب نے
غربت میں بھی رہا تو گویا سدا وطن میں
پھر تیرے دم سے ہوں گے تازہ سخن کے چرچے
پھر رونقیں رہیں گی یاروں کی انجمن میں

اقبال

کشور ناہید

تیرا جمال عکسِ خدا کی دلیل ہے
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

تیری دعا سے ملا، میری زمیں کو ثمن
تیری نوا سے ملا حرفِ تحیر کو فن
تیری وفا سے ملا کاسۂ تسکیں کو دھن
تیری نوا سے ملا صحرائے جاں کو چمن

نقشِ وفا کا بیان، تیرے بیاں کی دلیل
زمزم دل کے لیے تیری صدا سبیل

تیری دعا میں نہاں جذبۂ خیر البشر
تیری صدا سے ملا قوم کو جذب رحیل
تیری نواؤں میں ہے پچھلے پہر کا فسوں
تیرے تکلم میں ہے حوصلۂ جبریل

کاش تمنا بھی ہو حسرتِ دل کا کفیل
میری دعا بھی بنے تیری دعا کی مثیل

تیرے تصرف میں ہے شہر دعا کی جبیں
تیرے تموج میں ہے سطوتِ سودائے دیں
تیرے تحکم میں ہے قامتِ قرضِ زمیں
تیرے تکلم میں ہے جلوتِ روزِ یقیں

میری تمنا سراب، میرے ارادے قلیل
تیری سخن پروری، میری دعا کی سبیل

عصرِ اقبال

اسد ملتانی

قول یہ اقبال کا تھا "شاعر فردا" ہوں میں
اس سبب سے انجمن کے درمیاں تنہا ہوں میں
بس کہ پُر تاثیر تھی اس کی صدائے دردناک
بلبلِ تنہا کے نالوں سے ہوئے دل چاک چاک
زندگی میں کارگر ہونے لگا اس کا پیام
بعد رحلت اور بھی روشن ہوا اس کا کلام
معترف سب حکمتِ اقبال کے ہونے لگے
مشرق و مغرب میں اس کے ترجمے ہونے لگے
بہرہ یاب اس کے سخن سے ہو رہے ہیں آج سب
ترکی و شام و عراق و مصر و ایران و مغرب
رات دن اُن کی نواؤں سے فضا معمور ہے
اس کے نغمے نشر کرنے پر ہوا مجبور ہے
آگیا ہے عالم افکار میں اک زلزلہ
کروٹیں لینے لگا ہے زندگی کا ولولہ
ہے جو تحریک اتحادِ عالم اسلام کی
یہ بھی اک تشکیل ہے اقبال کے پیغام کی
عالم اسلام کے فکر و نظر پر چھا گیا
وقت کے افکار پر اقبال غالب آگیا
خلدِ نو میں سب سے اونچا قصر ہے اقبال کا
حق تو یہ ہے عصر حاضر، عصر ہے اقبال کا

تفکر اقبال

ظفر صہبائی

حکمتیں، فلسفے لہو میں رواں
راز دارِ علوم فکر نشاں

روح تخلیق اس سے ہم آغوش
اس کے افکار بادۂ سر جوش

وہ نئے آسماں کا خورشید
اس نے پہنا نہ جامۂ تقلید

اپنی پرواز کے افق ڈھونڈ لے
فکر کے گمشدہ ورق ڈھونڈ لے

لفظ و معنی کو وسعتیں بخشیں
دل کے جذبوں کو صورتیں بخشیں

قلب مومن کو یوں فگار کیا
اس کا حال اس پہ آشکار کیا

عصر کے مسئلوں کو یوں سمجھایا
نورِ وحدت کا جام چھلکایا

وہ ادب کا نیا مقدر تھا
لاکھ اجزا کا ایک پیکر تھا

اہلِ دانش ہیں سوچ میں تا حال
ہے کہاں تک تفکر اقبال

پیغمبرِ لوح و قلم

نوبہار صابر

اے رسول فکر و فن! پیغمبر لوح و قلم
اے ادیبِ نکتہ داں! اے شاعرِ معجز رقم

شاعرِ مشرق، غرورِ ایشیا، فخر جہاں
اے قلم کارِ عظیم افسوں گرِ لفظ و بیاں

نقش کرتا ہے یہ دل پر تیرا درسِ آگہی
لا محالہ "شاعری جزویست از پیغمبری"

گم رہوں کو نغمۂ "بانگِ درا" تیرا کلام
شب زدوں کو آفتابِ صبح زا تیرا کلام

غنچہ و گل کے لیے تیری نوا موجِ نسیم
سنگ و آہنگ کے لیے تیرا سخن "ضرب کلیم"

تیری فکر عرش پیما رشک "بالِ جبریل"
وحی کیوں کر نہ پھر ٹھہرے تیرا شعر بے عدیل

صورِ اسرافیل پھونکا گرمیِ افکار سے
اہلِ مشرق کو جگایا خوابِ مرگ آثار سے

بزدلوں کو غیرتِ شیرِ بیاباں کر دیا
سنگریزوں کو حریفِ ماہِ تاباں کر دیا

خود فراموشوں کو احساسِ خودی تو نے دیا
ڈوبتی نبضوں کو رقصِ زندگی تو نے دیا

کر کے محرم قدرتِ سوزِ نفس کے راز سے
معرکہ آرا کیا دُرّاج کو شہباز سے

خاکساروں کو عطا کی تو نے یہ فکر بلند
آدمی چاہے تو ڈالے ماہ و پرویں پر کمند

تیری تفسیرِ جنوں پر شرحِ صد حکمت نثار
تو نے بخشا عشق کو تقدیس و عظمت کا وقار

فلسفے کو تو نے ڈھالا پیکرِ اشعار میں
یوگ درشن آئینہ ساماں ترے افکار میں

شاعر و صورت گر و بت ساز و موسیقار کو
نکتۂ معراجِ فن سمجھایا ہر فن کار کو

بے ریاضت کشتِ فن بے گانۂ برگ و ثمر
سرخیِ خونِ جگر ہی سے نکھرتا ہے ہنر

ذکرِ نانک ہے ذکرِ سرمد و چشتی کے ساتھ
رام بھی ہے تیرا ہیرو حضرتِ رومی کے ساتھ

بے نیاز "ایں و آں" تیرے خیالاتِ عمیق
"شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

عام تیری ضو فشانی صورت ماہ و نجوم
مشرق و مغرب میں یکساں ہے ترے نغموں کی دھوم

گرد بادِ گردشِ شام و سحر سے بے نیاز
محفلِ ہستی میں یہ شعلہ رہے گا سرفراز

اللہ والا فلسفی

علی منظور حیدر آبادی

کیوں گذشتہ ساعتیں پھر مجھ کو تڑپانے لگیں
زندگی کی حسرتیں پھر دل کو گھبرانے لگیں

بن گیا پھر کیوں پریشاں کن یہ فانوس خیال
وحشتیں پھر کیوں مری تخیل پر چھانے لگیں

انبساطِ زندگی کی خوشنما تنویر میں
موت کی سی صورتیں کیوں نظر آنے لگیں

اٹھ گیا دنیا سے کوئی زندہ جاوید کیا
کیوں فنا کی بدلیاں دنیا پہ منڈلانے لگیں

رو رہا ہے کون یہ لے لے کے نام اقبال کا
کچھ لحاظ اس کو نہیں مجھ سے پریشاں حال کا

کیوں نہ مضطر ہوں، نہیں اے دوست بیجا اضطراب
اور بڑھنا چاہیے اس وقت میرا اضطراب

مجھ پر اپنا کر قیاس اے ہم نوا تو ہی بتا
آہ اطمینان حاصل ہے تجھے یا اضطراب

جانتے تھے اپنا رہبر ہم سبھی اقبال کو
کیوں نہ ہوں پھر اس کی فرقت میں سراپا اضطراب

کیا خبر تھی یہ خبر اس درجہ ہو گی جانگسل
ہو گیا محتاجِ تدبیر آہ دل کا اضطراب

اطلاعِ رحلت اقبال میں کیوں کر سنوں؟
یہ خبر! "چپ ہے نقیبِ جاہِ پیغمبر" سنوں؟

ملک و ملت کا حقیقی رہنما جاتا رہا
آدمیت کا دلِ درد آشنا جاتا رہا

قوم کی بیداریوں کو ناز تھا جس فرد پر
آہ وہ فردِ یگانہ کیا ہوا؟ جاتا رہا

کیوں نظر آتا نہیں وہ رہبروں کا راہبر
مدعی جو رہنمائی کا نہ تھا جاتا رہا

حاسد بیدار اس نے کر دیا کل قوم کو
حاذبِ مخلص دلِ حساس کا جاتا رہا

جو کشش اس کی قیادت میں تھی اوروں میں کہاں
آہ وہ حسنِ تخاطب، اف وہ تاثیر بیاں

اس کی تعلیمات سے روشن ہوئے صدہا چراغ
تھا دل افروز قوم وہ روشن دماغ

ہند میں رہ کر حجازی منزلیں کرتے ہیں طے
ہم نے کیسے کیسے اس رہبر سے پائے ہیں سراغ

فرق پر اس کے جناب قاسم کوثرؑ کا ہاتھ
ہاتھ میں اس کے مئے عرفاں کا نورانی ایاغ

غم ربا اقبال کا ہر شعر عشرت ریز ہے
ہر پیام اس کا ہمارے واسطے گلریز ہے

بھر دیا مقصود کے پھولوں سے دامن قوم کا
عطر افشاں ہے انھیں پھولوں سے مسکن قوم کا

ہو گیا شل اس کی زد سے مفسدوں کا دست کید
حسبتاً للہ مٹایا اختلافِ عمر و زید

مستفید اس سے ہوا ہر فرد، دیکھو تو سہی
کون ہے صیادِ خوش دل؟ کون ہے غمناک صید

قوم کو سمجھا دیے اس نے نکات اتحاد
اس کی آزادانہ رو نے توڑ دی فرقوں کی قید

اب ہے جس منزل میں وہ اللہ والا فلسفی
اس سے اے منظور واقف ہیں سنائی و جنید

دے رہے ہیں گرچہ ظاہر بیں صدائے الوادع
اس حیات آثار سے تو کہہ بجائے الوداع

السلام اے رہنمائے ملک و ملت السلام
السلام اے پیروِ ختم رسالت السلام

در ضیائے ملتِ بیضا لوایش یافتی
السلام اے طلعت افروزِ قیادت السلام

آیتِ بودی تو از آیت ایمان و یقین
السلام اے شاعرِ خورشید سیرت السلام

جلوۂ تنظیمِ ملت می دہد بر نظمِ نو
بر سپہرِ مجد نام روشنت تابندہ باد

باہزاراں جاہ و نعمت قومِ توپائندہ باد
السلام اے صاحب فضل و کرامت السلام

اقبال اور اس کی عظمت

صابر نیازی

اقبال نئی فکر کی عظمت کا نشاں
اقبال دلِ علم و ادب کا ایماں
اقبال رہ عزم و عمل کا راہی
اقبال کے فن پارے چراغِ امکاں

بحر ظلمات سے گذرا ہے وہ سورج بن کر
اس نے شاہیں کی فطرت کا پتہ پایا ہے
دے کے بیداریاں انساں کی انا کو صابر
راز عظمت کا ہر انساں کو سمجھایا ہے

فلسفوں سے شاعری کر لی کشید
غم سے تازہ کر لیا ایمان کو
تو ہے اے اقبال روح آگہی
کون پہنچے گا ترے عرفان کو

قلب مومن میں حرارت کا ظہور
مردہ ذہنوں کے لیے روحِ شعور
شعر اقبال کے عنوانِ حیات
یعنی ہر لفظ عمل سے بھر پور

نغمہ رنگیں نہیں اس کا مزاج
اس کی دنیا میں نہیں رسم و رواج
عظمتِ اقبال صابر دیکھنا
جدتیں خود پیش کرتی ہیں خراج

نذرِ اقبال

برج لال رعنا جگی

لفظوں کو دیے نئے معنی تو نے
افکار کو دی نئی جوانی تو نے
اسلوبِ سخن میں رنگ تازہ بھر کے
بدلا ہے مزاجِ زندگانی تو نے

ذروں کو ستاروں کی ضیا بخشی ہے
پھولوں کو بہاروں کی ہوا بخشی ہے
اسرار خودی کے فاش کر کے تو نے
انساں کو مشیتِ خدا بخشی ہے

ظلمت کو کہکشاں بنایا تو نے
پستی کو آسماں بنایا تو نے
افسونِ سخن پھونک کے ہر قطرے کو
اک بحر بے کراں بنایا تو نے

احساس خودی کے گیت گاتا ہی رہا
جینے کی نئی راہ دکھاتا ہی رہا
اس انجمنِ تیرہ و افسردہ میں
تو مثلِ چراغ مسکراتا ہی رہا

پردہ رخ تکویں سے اٹھایا تو نے
ہستی کا نیا روپ دکھایا تو نے
احساس جگا کے ظلمتوں کا دل میں
انسان کو انسان بنایا تو نے

گم آنکھ سے ہے "نیا شوالہ" تیرا
اک سوچ میں ڈوبا ہے ہمالہ تیرا
اے چرخِ وطن کے آفتاب تاباں
کیوں روٹھ گیا ہم سے اجالہ تیرا

بارگاہِ اقبال میں

حیات وارثی

تیری فکرِ جمیل سے روشن
علم اور فن کا آئینہ خانہ
تو نے احساس کی گدازی سے
شمع کو بخشا سوزِ پروانہ

آشنا ہے مقامِ انساں سے
رزم گاہِ عمل کا غازی ہے
تیرے مے خانۂ محبت میں
جام ہندی ہے مَے حجازی ہے

تیرے سازِ خودی پہ
شعلۂ عزم، رفعت کردار
بالِ جبریل اور بانگ درا
فن کی معراج فکر کا شاہکار

تیری ضرب کلیم سے لرزاں
وادئ غم، فضائے تیرہ شبی
تیرے شاہیں کی قوتِ پرواز
کہکشاں جس کی گردِ راہ بنی

تیرے احساس کی بلندی نے
زندگی کا شعور بخشا ہے
تو نے اخلاص کے اجالوں سے
آدمیت کو نور بخشا ہے

ہمارا اقبال

بدیع الزماں خاور

ہمارا اقبال گا چکا ہے
ہمارا اقبال گا رہا ہے
ہمارے پیارے وطن کی تقدیس کا ترانہ
ہمارے سب سے بلند کہسار کا مغنی۔۔۔
ہمارے گنگ و جمن کا مطرب
ہماری تہذیب کا حدی خواں
ہمارا اقبال گا چکا ہے
ہمارے سارے جہاں سے اچھے؛ عظیم
ہندوستاں کا نغمہ
ہمارا بلبل۔۔۔۔
ہمارا شاعر۔۔۔
ہمارا اقبال گا رہا ہے
ہمارے اقبال کا ترانہ، فضاؤں میں
رقص کر رہا ہے۔۔۔
ہمارے دشت و چمن پہ ابرِ بہار بن کر
برس رہا ہے

خلوص و مہر و وفا کا سنگیت، کیاری کیاری
بکھر رہا ہے
ہماری جنت نشاں زمیں پر، نیا شوالہ
ابھر رہا ہے

ہمارے سینوں کی تیرگی میں
نئے افق جگمگا رہے ہیں
ہم اپنے اقبال کا ترانہ، نفس نفس گنگنا رہے ہیں
پیام امن و نجات،
دھرتی کے باسیوں کو سنا رہے ہیں

اقبال کا فلسفہ

قمر جلال آبادی

آ کہ ہر قطرۂ بے تاب کو طوفاں کر دیں
آ کہ ہر ذرۂ بیکس کو بیاں کر دیں

اپنی تدبیر مقدر کو جگا سکتی ہے
کوہساروں کے کلیجوں کو ہلا سکتی ہے
آسمانوں پہ زمینوں کو بٹھا سکتی ہے
آ کہ تدبیر سے تقدیر کو حیراں کر دیں

ہم نشیں خوابِ ازل کی نئی تفسیر ہیں ہم
چھپیں تو سوز ہیں ظاہر ہوں تو تنویر ہیں ہم
چپ رہیں تو خواب ہیں بول اٹھیں تو تعبیر ہیں ہم
ہم جو چاہیں تو زمانے کو پریشاں کر دیں

میں نے مزدور کو محروم کرم دیکھا ہے
میں نے مزدور کو مصروف الم دیکھا ہے
میں نے مزدور کو پابندِ ستم دیکھا ہے
آ کہ مزدور کو اب دیش کا سلطاں کر دیں

دن کو قربان کیا رات کو قربان کیا
عزم کو جوش کو جذبات کو قربان کیا
نادر قوم پہ ہر بات کو قربان کیا
جاں بھی کرنی پڑے قربان تو قرباں کر دیں

کس تجسس میں تو بھارت کے جواں پھرتا ہے
کیوں دبائے ہوئے یوں دردِ نہاں پھرتا ہے
تو بہاروں کے تجسس میں کہاں پھرتا ہے
آ کہ ہم شامِ خزاں کو بھی بہاراں کر دیں

اقبال

خورشید رضوی

سوچتی آنکھوں پہ ابھری ہوئی تابندہ جبیں
بے یقینی کے سمندر میں ہے مینارِ یقیں
مظہرِ حسنِ صلابت وہ توانا چہرہ
جس کا آہن سے ہے ترشا ہوا ہر نقشِ متیں
اور وہ شانے کہ ہیں درویش صفت غرقِ گلیم
جیسے کہسار کوئی غرقِ جلال و تمکیں
صورتِ بادِ صبا مشرق و مغرب کا رفیق
صفتِ کوہ گراں اپنی ہی دنیا کا مکیں
آج بھی سایۂ مسجد ترا سنگِ مزار
اہلِ بینش کے لیے ہے یدِ بیضائے مبیں
خاک افسردہ تری قوم مگر تیرا شرر
یخِ امروز میں ہے شعلہ فردا کا امیں
میں وہ محروم کہ پایا نہ زمانہ تیرا
تو وہ خوش بخت کہ جو میرے زمانے میں نہیں

شاعرِ آفاق

فرحت قادری

اے کہ تیری نغمگی میں امتزاجِ سوز و ساز
آنکھ میں شبنم مگر دل میں مئے مینا گداز
حسن عالم تاب کے لمحات سے روشن نظر
شعلۂ عشق حقیقی سے تپاں تیرا جگر
پردۂ اشعار میں تو ہے خدا سے ہم کلام
اللہ اللہ آدمی کا اس قدر اونچا مقام
مردہ روحوں کے لیے تو صورِ اسرافیل ہے
تیرا ہر پیغام تاریکی میں اک قندیل ہے
جوں ہی ٹکرائی ترے کانوں سے آوازِ رحیل
نور افشا ہوگئی شمعِ شبستانِ خلیل
ہند کے پھولوں سے بھی آنے لگی بوئے حجاز
ناز والے فیض سے تیرے ہوئے مستِ نیاز
درد قومی سے ترا دل کس قدر لبریز ہے
تیرا نالہ پر اثر، پر درد، فکر انگیز ہے
وقت کا تو ہے مسیحا قوم کا نباض ہے
تجھ پہ اے اقبال! نازاں مبدءِ فیاض ہے

اے نقیبِ حق نگر، دانشور بزم حیات
تیرے اک اک لفظ میں مضمر پیامِ صد نکات
کور چشموں کے لیے رہبر بنی تیری نوا
تا سرِ عرش بریں گونجی تری بانگ درا
اہلِ مشرق کی بڑھائی تونے شانِ برتری
توڑ ڈالا اہلِ مغرب کا طلسم سامری
چھا گیا آخر زمانے بھر پہ تیرا فلسفہ
ناشناس قوم کو قوم آشنا تو نے کیا
فہم ودانش سے تری ممکن نہیں ہے کوئی چوک
تو نے سمجھایا ہے رازِ آیۂ انّ الملوک
مرتبہ انسان کا تو نے دوبالا کردیا
آدمی کو ہمسر عرشِ معلّٰی کر دیا
نسخۂ انسانیت سے پُر ہے تیری ہر کتاب
ابنِ آدم کے مرض کا تو طبیب لا جواب
تو نے سمجھایا کہ بحرِ بے کراں ہے زندگی
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی
اے کہ تیری فکر تازہ پرتوِ ام الکتاب
تیری شخصیت پہ صادق مرد مومن کا خطاب
ذہن ہے بالغ ترا ہے دوربیں تیری نگاہ
مثل آئینہ عیاں ہے تجھ پہ سر لاالٰہ

ابن آدم کو جگایا اک نئے انداز سے
تو نے واقف کر دیا سب کو خودی کے راز سے
کیا سمجھتا، رہنے والا کرگسوں کے درمیاں
سرحدِ افکار سے آگے ہے شاہیں کا جہاں
تیری حق گوئی سے مظلوموں کو طاقت مل گئی
مرحبا! تو نے ممولوں کو جسارت بخش دی
آدمی کو تو نے سمجھایا مقام آدمی
منکشف تو نے کئے دنیا پہ اسرار خودی
ریگ زاروں کو قلم کی نوک سے نم کر دیا
پیکرِ موہوم کو تو نے مجسم کر دیا
گل بھی تو، گلشن بھی تو، شبنم بھی تو، شعلہ بھی تو
تیرے سینے میں فروزاں آتش اللہ ہو

اے مفکر، اے مدبر، شاعر روشن دلیل
تیری پروازِ نظر ہمرنگِ بالِ جبرئیل
پردۂ اشعار میں قرآن کی تفسیر ہے
تیری ہستی کو بناتی ہیں یہی چیزیں عظیم
اک رموزِ بے خودی اور دوسری ضربِ کلیم
تو صنوبر کی طرح پابند بھی، آزاد بھی
سامنے ہر دم رہا لا یُخلِفُ المیعاد بھی

کشتِ ویراں سے نہیں ہوتا کبھی نومید تو
ہر گھڑی پیش نظر ہے آیۂ لَا تقنطو

نالۂ شبگیر میں تاثیر دلدوزی بھی دی
ملّتِ بیضا کو تعلیم جگر سوزی بھی دی

ہو گئی سب پر اثر انداز تیری شاعری
سچ کہا ہے "شاعری جزویست از پیغمبری

تو مجاہد ہے ادب کا، اپنے فن میں طاق ہے
شاعرِ مشرق نہیں تو شاعرِ آفاق ہے

اقبال

بیکل اتساہی

امیر لفظ و قلم، نازشِ سخن اقبال
شعورِ شعر و ادب، افتخارِ فن اقبال

قرینۂ لبِ اردو، نقیبِ آزادی
اصولِ کشورِ فن، عظمتِ وطن اقبال

بہ فیضِ عشق رہا آشنائے رازِ خودی
دیارِ حسن کا تھا تمکنت شکن اقبال

اسیر زلفِ تصوف، دیوانۂ رندی
جدید شرحِ شریعت کا بانکپن اقبال

لیاقتوں کا غزالی، روایتوں کا نظیر
جدید ذہن و تخیل کی انجمن اقبال

اقبال

بدرالدین قیصری

مرحبا! اقبال اس جادو بیانی پر تری
حبذا طرزِ جدید شعر خوانی پر تری
واہ وا ایسی طبیعت کی روانی پر تری
آفریں! اس نکتہ دانی نکتہ رانی پر تری
شمع ہے تو شاعری انجمن کے واسطے
فکر تیرا دام ہے مرغِ سخن کے واسطے

بلبلِ پنجاب تو پنجاب ہے گلشن ترا
پر ہے گلہائے مضمون سدا دامن ترا
جس کا دانہ دانہ خرمن ہو وہ ہے خرمن ترا
دوسروں کے سو تصنع ایک سادا پن ترا
نقشِ تصویرِ مضامیں کے لیے مانی ہے تو
خطۂ ہندوستاں میں غالبِ ثانی ہے تو

آہ اقبال

ادیب مالیگانوی

شمع فطرت تھی جہاں میں زندگی اقبال کی
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے روشنی اقبال کی
بھا گئی اہل وطن کو بے خودی اقبال کی
مہر تاباں بن کے چمکی شاعری اقبال کی

سوز پروانے کا پنہاں اس خاکستر میں تھا
شعلۂ گردوں نور داس کے دلِ مضطر میں تھا

اس نے چمکایا ستارہ عظمتِ اسلام کا
قطرہ قطرہ تھا حقیقت ریز اس کے جام کا
چل سکا قابو نہ اس پر گردش ایام کا
دہر میں بجتا ہے ڈنکا آج اس کے نام کا

اک وہی تسکین دل تھا غالب و حالی کے بعد
قوم کا کیا حال ہو گا اس پامالی کے بعد

اس چمن سے کیسے کیسے نغمہ پرور چل بسے
ہمنوائے بلبل شیراز اکثر چل بسے
اہلِ جوہر کو دکھا کر اپنے جوہر چل بسے
محفل شعروادب سے داغِ جوہر چل بسے

قوم کا اقبال تھا اقبال بھی جاتا رہا
آہ! وہ اک نقشِ بے تمثال بھی جاتا رہا

اس نے اک انداز سے چھیڑا ربابِ زندگی
اٹھ گئے اپنی نگاہوں سے حجابِ زندگی
اس کے شعروں میں تھا اک جوشِ شبابِ زندگی
ذرہ ذرہ بن گیا مستِ شرابِ زندگی

محفلِ ہستی میں ایسا راز داں کوئی نہیں
کارواں باقی ہے میر کارواں کوئی نہیں

وہ کبھی غرناطہ و بغداد پر تھا اشکبار
وہ کبھی تھا خاکِ دِلی پر دل وجاں سے نثار
سرزمین قرطبہ میں جب ہوا اس کا گزر
کی بلند اس نے وہاں بھی اپنے سینے کی پکار
تھا کبھی مضطر وطن کی بے کسی کے واسطے
غم یہ سب مخصوص تھے گویا اسی کے واسطے

اب کرے گا کون لذت آشنائے آرزو
کس کے لب سے ہم سنیں گے نغمۂ اللہ ہو
کام آئے گا چمن کے کس کی آنکھوں کا لہو
کس سے زینت پائے گا اب یہ جہانِ رنگ وبو
عشق کے اسرار پنہاں ہم کو سمجھائے گا کون
آتشِ دردِ محبت دل میں بھڑکائے گا کون

ہر نفس اقبال کا پروردۂ اسلام تھا
اس کے ہاتھوں میں چھلکتا زندگی کا جام تھا
دردِ ملت تڑپنا باعثِ آرام تھا
شاعرِ اسلام تھا وہ شاعرِ اسلام تھا
چشم ظاہر میں اگرچہ اب وہ ٹوٹا ساز ہے
اس کے نغموں میں حیاتِ جاوداں کاراز ہے

شاعر مشرق

سلطان احمد شہباز صدیقی

اے حکیم امت و علامہ عالی مقام
زندہ و جاوید ہے ملکِ سخن میں تیرا نام
مرحبا یہ عارفانہ حکیمانہ کلام
حق میں جو نوعِ بشر کے زندگی کا ہے پیام

تیرے فن کے رو برو باطل ہے سحر سامری
جزو ہے پیغمبری کا تیری کامل شاعری

شاعرانِ دہر میں رکھتا ہے تو اعلیٰ مقام
اپنے ہم عصروں میں حاصل ہے تجھے شانِ امام
مرحبا فکر و نظر کا شعر میں یہ اہتمام
انفرادی ہے تیرا طرزِ نگارش لا کلام

کیا ضرورت تجھ کو رنگ حافظ و خیام کی
چھاپ ہر سخن پر خود ہے تیرے نام کی

تیرا اسلوب سخن ہے بے نظیر و لا عدیل
استعارے تیرے نازک تیری تشبیہیں جمیل
ہیں تیرے الفاظ شیرینی میں شربت کی سبیل
تیرا ہر مصرع رواں ہے مثل جوئے سلسبیل

پختہ ہر ترکیب تیری، تیری ہر بندش ہے چست
شستہ و رفتہ زباں ہے روز مرہ ہے درست

قابل صد داد و تحسین ہے تیرا طرزِ مبیں
عامیانہ پن کا جس میں شائبہ تک بھی نہیں
داغِ ناشائستگی سے پاک ہے تیری جبیں
دامنِ سنجیدگی تو نے نہیں چھوڑا کہیں

ربط کب گستاخیوں کو تیرے لب کے ساتھ ہے
شکوہ بھی اللہ سے تجھ کو ادب کے ساتھ ہے

طائرِ تخیل جب ہوتا ہے تیرا پر فشاں
گرد کے دامن میں چھپ جاتی ہے راہِ کہکشاں
پے بہ پے کرتا ہوا طے رفعت ہفت آسماں
اوج طوبیٰ سے گذر کر صورتِ برق جہاں

کنگر کاخِ ثریا کو فلک پر چھوڑ کر
عرش کے اس پار سے لاتا ہے تارے توڑ کر

جب کھلاتی ہے گلِ مضمون تیری شاخِ قلم
صفحۂ قرطاس بن جاتا ہے گلزارِ ارم
ہوتے ہیں پیدا صریر خامۂ جادو رقم
جاگ اٹھتے ہیں معانی چھوڑ کر خوابِ عدم

اللہ اللہ یہ اثر اعجاز کا تحریر میں
روح ہو جاتی ہے رقصاں پیکرِ تصویر میں

غیرت ارژنگ معانی تیرا ہر دیوان ہے
نقش گوناگوں کے جلووں سے نگارستان ہے

ہر ورق کے رنگ کا قوسِ قزح عنوان ہے
کہکشاں ہر سطر کی تنویر قربان ہے

زینت ہر لفظ سے حسنِ گلستان دنگ ہے
مشک بو ہر حرف ہے، ہر نقطہ عنبر رنگ ہے

فلسفہ کی ہے تیرے بنیاد قرآن مبیں
برگساں و نیٹشے کا تو نہیں ہے خوشہ چیں
واسطہ الحاد یا تشکیک سے تجھ کو نہیں
قلب میں ہے تیرے روشن شمع ایمان و یقیں

رنگ مذہب ہر تیری تصویر کے پیکر میں ہے
بادۂ خم خانہ بطحا تیرے ساغر میں ہے

اہل حکمت سے الگ ہے، راستہ یکسر تیرا
ان کی منزل دوسری ہے مرحلہ دیگر تیرا
پائیں وہ عرفان حق میں، مرتبہ کیوں کر تیرا
عقل ان کی رہنما ہے عشق ہے رہبر تیرا

عقل رہ جاتی ہے پھنس کر ہر بلند و پست میں
عشق منزل پر پہنچ جاتا ہے صرف اک جست میں

بادۂ مغرب سے رکھتا ہے روا تو احتراز
حدت و حرقت ہے جس کی ساغر و مینا گداز
مصطفیٰ ساقی ہیں تیرے، مے کدہ تیرا حجاز
جام سے پیتا ہے ان کے تو شراب خانہ ساز

تیرا ساقی، تیرا بادہ، تیرا مینا اور ہے
تیرا پینا اور ہے اوروں کا پینا اور ہے

کاروانِ ملتِ بیضا کا تو ہے رہنما
قوم کے حق میں ہے تیری شاعری بانگ درا
چھیڑ کر اک زمزمہ فرحت فزا، غفلت ربا
رہ روانِ خفتہ کو پیغام بیداری دیا

سوز پیدا ہو گیا ہر دل میں تیرے ساز سے
جل اٹھا گویا نیستاں شعلۂ آواز سے

سعی پیہم کا دیا تو نے سبق لیل و نہار
عظمت جہدِ مسلسل کی دلوں پر آشکار
بے عمل رہنا نہیں تجھے گوارا زینہار
یہ حقیقت تو نے دنیا پر عیاں کی بار بار

"پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جام زندگی"
دارِ فانی میں اسی سے ہے دوام زندگی

حادثہ جو پیش آنے والا ہوتا ہے کہیں
تاڑ لیتی ہے اسے تیری نگاہ دوربیں
پیش گوئی پر تیری ہم کو نہ ہو کیوں کر یقیں
دیدہ ور تجھ جیسا کوئی عہد میں تیرے نہیں

جو کچھ نظر آتا ہے تجھ کو وہی کہتا ہے تو
شک نہیں زنہار اس میں شاعرِ فردا ہے تو

وہ کلیم بے تجلی وہ مسیح بے صلیب
مارکس یعنی منبر مزدور و دہقاں کا خطیب
چاہتا ہے اس کو صرف تو اس لیے مثل حبیب
دور ہے ثروت سے وہ بھی اور محنت سے قریب

دست دولت آفریں میں دیکھ کر مالِ زکات
تلخ ہو جاتی ہے تیری طرح اس کی بھی حیات

تیری خواہش ہے کہ پھر آئے تجھے ہر سو نظر
عرصۂ گیتی میں اوج امت خیر البشر
صفدری کے ڈھنگ سیکھیں کلمہ گو آٹھوں پہر
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ حدِ کاشغر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
سربکف میداں میں نکلیں جانفشانی کے لیے

مولوی معنوی کے مثل اے عالی جناب
نیستی واللہ پیغمبر و لے داری کتاب
ایشیا کے شاعروں میں ہے کہاں تیرا جواب
شاعرِ مشرق ہے زیبا ہر طرح تیرا خطاب

"عمرہا باید کہ فخر روزگار آید چنیں"
اشہب فکر و نظر را شہسوار آید چنیں

ہے کلام حضرت اقبال وہ آب بقا
قلب مردہ کو جو کرتا ہے حیاتِ نو عطا
مجھ سے ہو سکتا ہے ان کی مدح کا کب حق ادا
میں تو کہہ سکتا نہیں شہباز کچھ اس کے سوا

مان لے دل سے اگر وہ فلسفہ اقبال کا
قوم کو مل جائے پھر وہ دولت کدہ اقبال کا

آہ شاعرِ مشرق

صغیر جعفری

بجلی سی اک طور پہ لہرا کے چھپ گئی
آبِ لبِ فرات کو تڑپا کے چھپ گئی
یخ بستگانِ ہند کو گرما کے چھپ گئی
سینوں میں کتنے دل تھے کہ دھڑکا کے چھپ گئی

ہے قدسیوں میں بھی تیرے مرنے کی آہ دھوم
روتی ہے تیرے واسطے اقبال روحِ روم

اقبال آہ شاعرِ بے باک ایشیا
روتی ہے تجھ کو آج تیری خاکِ ایشیا
ماتم کناں ہے آہ دلِ چاک ایشیا
گرمِ فغاں ہے سب خس و خاشاک ایشیا

شعلہ تھا اک بھڑک کے جو رو پوش ہو گیا
لو آج سازِ روم بھی خاموش ہو گیا

سازِ عجم میں سوزِ حجازی تھا نغمہ ریز
گرما گئی دِلوں کو یہ تیری نوائے تیز
ہر لفظ حشر ساز تھا ہر حرف حشر خیز
مردہ دلوں کو بخش دیا جذبۂ ستیز

گرما کے قلب زادۂ توحید کا لہو
جا زینتِ بہشت ہوا آہ آج تو

ہر نقش دل پہ شاعرِ مشرق کی بات بات
وہ زندگی کا فلسفہ وہ موت کے نکات
مجموعۂ صفات تھی اقبال تیری ذات
امت کی موت شاعرِ امت تیری وفات

مرنا ترا نہیں ہے فقط شاعری کی موت
مرنا ہے ایک قوم کا اقبال تیری موت

"یزداں شکار" تیرے تخیل کی تھی کمند
ملت کے غم سے چور تھا تیرا ہر ایک بند
ہائے وہ تیرا فقر وہ طبع "خطر پسند"
نازاں ہے جس پہ خاک بخارا و سمرقند

مرنے سے سینۂ پنجاب چاک چاک
اور بے قرار یثرب و بطحا کی خاک پاک

اقبال کائنات کے سینے کا "راز فاش"
مرنے سے اس کے سینۂ یزداں میں بھی ہے خراش
اور قلبِ قوم مسلم گریاں ہے پاش پاش
کچھ روز اس کو موت نہ آتی صغیر کاش

یہ باغ اور پھولتا پھلتا تو خوب تھا
کچھ دن ابھی چراغ یہ جلتا تو خوب تھا

ہر چند اب زمیں پہ نہیں ہے ترا قیام
افلاک پر ہے شاعرِ مشرق کا اب قیام
محفوظِ دل میں ہے مگر اقبال تیرا نام
کانوں میں گونجتا ہے ابھی تک تیرا پیام

ہر شعر تیرا غیرتِ ناہید ہو گیا
اقبال مر کے زندۂ جاوید ہو گیا

اقبال

طفیل ہوشیارپوری

اے شاعرِ فردوس نشیں نازشِ اسلام
جھک جاتا ہے سر، لب پہ آتا ہے ترا نام

اللہ رے وہ وسعتِ پروازِ تخیل
پایا نہ کسی نے ایسا اندازِ تخیل
دنیا کے تخیل کی رسائی ہے فلک تک
اور تیرا فلک سے ہوا آغازِ تخیل
سمٹے ہوتے تھے کون و مکاں تیری نظر میں
یہ وسعتیں ہوتی ہی نہیں چشم بشر میں

دانائے یگانہ شہِ اقلیم معانی
ہے اپنی مثال آپ ہی تیری ہمہ دانی
غواصِ خرد کھائے نہ کیوں غوطے پہ غوطہ
گہرا ہے ترے بحر خیالات کا پانی
ہر لفظ ہے آئینہ تری دیدہ وری کا
ہر شعر ہے شاہد تری بالغ نظری کا

تہذیب فرنگی کی پرستار ہے دنیا
پھندے میں تعیش سے گرفتار تھی دنیا

الحاد کی مے مفت ہی بٹتی تھی جہاں میں
مخمور تھی مدہوش تھی سرشار تھی دنیا

ہر سمت غلامی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی
اک ظلم کی آندھی تھی کہ لہرائی ہوئی تھی

مجبور تھے افکار پہ زنجیر کڑی تھی
لب بند، زباں بند، نظر بند، قلم بند
کیا کرتے کہ کردار پہ زنجیر کڑی تھی
ناچار تھے گفتار پہ زنجیر کڑی تھی

سینوں میں جواں غیرتیں دم توڑ چکی تھیں
فولاد شکن ہمتیں جی چھوڑ چکی تھیں

اے قوم کے اقبال تری بانگ درا نے
دہرائے وہ بھولے ہوئے ماضی کے فسانے
سن کر جنھیں رقصاں ہوئے ہستی کے لبوں پر
انسان کی بیداری کے آزاد ترانے

ہر شعر چھلکتا ہوا اک جام خودی کا
ہر بند بھڑکتا ہوا پیغام خودی کا

جینے کا یہ گر تو نے غلاموں کو سکھایا
تقدیر کو تدبیر کے قدموں پہ جھکایا
اے مرد مسلماں تری جرات تھی کہ تو نے
سوئی ہوئی ملت کو پیغام سنایا

جو جھکتا ہے اور اس کو جھکا دیتی ہے دنیا
یوں قعرِ مذلت میں گرا دیتی ہے دنیا

تیری، غمِ اسلام میں روتی رہی آنکھیں
یوں اپنی بصارت کو بھی کھوتی رہی آنکھیں
چن چن کے گلِ تازہ سرشکوں کے چمن سے
آزادی کا اک ہار پروتی رہیں آنکھیں

ان آنکھوں کا صدقہ ہے کہ بیدار ہے ملت
کھوئی ہوئی عظمت کی طلب گار ہے ملت

اقبال

مظفر حسین شمیم

موت کی تاریکیوں میں رو رہی تھی زندگی
خلوتِ خاموش شب میں سو رہی تھی زندگی
انتظارِ نغمہ زن میں زندگی کا ساز تھا
بربطِ خاموشِ ہستی گوش بر آواز تھا
یک بہ یک اک طائر آتش نوا پیدا ہوا
آسماں کی سرزمیں پر حشر سا برپا ہوا
جانب پستی اڑا وہ خوش نوا گاتا ہوا
آتشیں نغموں سے اپنے راگ برساتا ہوا
زہرۂ ناہید کی محفل کو گرماتا ہوا
خون تازہ زندگی کی رگ میں دوڑاتا ہوا
صبح کی قندیل روشن کی سوادِ شام میں
شان سی پھر ڈال دی خاکسترِ ایام میں
نغمۂ اقبال تھا یا صورِ اسرافیل تھا
دم بخود ہیبت زدہ سہما ہوا جبریل تھا
مرتبہ اقبال کا دنیا نے پہچانا نہیں
یہ مجاہد کون تھا خلقت نے یہ جانا نہیں
آہ محفل میں نہیں وہ ساقی محشر بدوش
جس کے ہنگاموں سے برپا تھا قیامت کا خروش
جس کے آواز سے لذت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے

نوحۂ اقبال

سراج الدین ظفر

دیارِ ہند میں آوارہ تھی جو بوئے لطیف
اڑا کے لے گئی اس کو ہوائے ذوقِ وصال
لبِ نیاز پہ لرزاں تھی جو نوائے سروش
پہنچ گئی وہ تڑپ کر سر حریم جمال
کہاں ہے آج وہ آئینہ دارِ حسنِ خودی
جلائی برق حقیقت سے جس نے شمع خیال
کہاں ہے آج وہ نغمہ طرازِ سازِ الست
دلوں میں پھونک دی جس کی نوا نے روح بلال
دراز ہستیٔ فطرت سے ہو گیا خاموش
وہ سازِ عشق کہ جس کی نوا تھی بادِ شمال
خزاں کی تند ہواؤں کی تاب لا نہ سکی
وہ شمع تھا مہ و پرویں کی طرح جس کا جلال
تجھے خبر بھی ہے اے دوست بے پناہِ اجل
تری جفا سے ہوئی کشت عاشقی پامال
تجھے خبر بھی ہے اے رستخیز باد فنا
کہ بجھ گئی تری جولانیوں سے شمع کمال
ہوا خموش مدینے کا سازِ روح گداز
نوائے طوطیِ بام حرم ہے بے پر و بال

کہاں وہ سوزِ نوا ہائے زندگی افروز
کہاں وہ لطف تب و تابِ محفلِ اقبال
نظر میں اب بھی ہیں نقشے وہی سمائے ہوئے
عروسِ شعر ہے ماتم میں سر جھکائے ہوئے

بحضورِ اقبال

سیف زلفی

مرا خراجِ عقیدت حضور علامہ
بہت حقیر ہے، خود میری شاعری کی طرح
وہ ایک محرم رازِ درونِ مے خانہ
کہ اس نے ڈالی ہے اک تازہ بے خودی کی طرح

وہ ایک مرد سپاہی کہ اس کے لفظ کی کاٹ
دل و جگر میں اترتی ہے نیشتر بن کر
برنگِ رومی و رازی وہ ایک ذہن جدید
رہِ سخن میں ملا، مجھ کو راہ بر بن کر

دکھا دکھا کے سر راہ شعلۂ قندیل
تمام دشتِ حیات اس نے جگمگایا ہے
مزاجِ خطۂ مشرق کی روشنی کے لیے
اندھیری رات میں مہتاب بن کے آیا ہے

امن کی راہ میں اس نے خودی کی منزل میں
سنا کے بانگ درا قافلے جگائے ہیں
لہو کو جوشِ حرارت کا بانکپن دے کر
دماغ و دل میں نئے ولولے جگائے ہیں

حضور شاعر مشرق سلام زلفی کا
رموزِ شعر میں دانائے راز ہے اقبال
کہاں ہے مشرق و مغرب میں آج اس کا جواب
اگرچہ خاکِ زمینِ حجاز ہے اقبال

داستانِ اقبال

بشیر النساء بیگم بشیر

چھائے آثارِ خزاں جب گلستانِ ہند پر
اور گھرے ظلمت کے بادل آسمانِ ہند پر
ثبت ہر خامشی تھی جب دہانِ ہند پر
تھا نہ حرفِ مدعا اک بھی زبانِ ہند پر
زندگی اور موت کا احساس تک باقی نہ تھا
کوئی اس اجڑے ہوئے میخانے کا ساقی نہ تھا

جب تبہ ہونے کو تھے ہم مغربی سیلاب سے
آفتابِ قوم چمکا مطلعِ پنجاب سے
دہر میں افسانۂ اس کی آب و تاب سے
نوجوانانِ وطن، اٹھنے لگے پھر خواب سے
دھیمی دھیمی دور سے دلکش صدا آنے لگی
کاروانِ خفتہ پیا "بانگِ درا" آنے لگی

جادہ پیئ سوئے منزل کارواں ہونے لگا
پرچمِ اقبال کو تھامے رواں ہونے لگا
ذرہ ذرہ زندگانی کا جواں ہونے لگا
آسمان پر شہرۂ ہندوستاں ہونے لگا

"شکوہ" اہل زمین افلاک پر جانے لگے
"بالِ جبریل "امیں سوئے زمیں آنے لگے

خونِ دل دے دے کے پژمردہ چمن تازہ کیا
سازِ نو کی لے سے پھر نام وطن تازہ کیا
دہر میں افسانۂ دار و رسن تازہ کیا
کتنی بے باکی سے پھر نام وطن تازہ کیا

دھوم تھی پھر عیسی معجز بیاں پیدا ہوا
حق کا آئینہ، حقیقی ترجماں پیدا ہوا

زندگی میں روح پھونکی گرمیِ گفتار سے
دین و ملت کو بچایا دنیوی اشرار سے
روح انساں کو رہائی دی بتِ پندار سے
توڑ ڈالے سحر باطل عشق کی تلوار سے

مطلعِ انوار تھا، سارے زمانے کے لیے
حق نے بھیجا تھا، باطل مٹانے کے لیے

پاک اس کی روح تھی اور اس کا دل فطرت شناس
عرش سے بھی دور جاتا اس کا شاہینِ قیاس
در یکتا لاتی، اس کی طبع ارتماس
جس سے بیگانہ زمیں والوں کے تھے فہم و حواس

دل نہ تھا پہلو میں رمزِ طور کا گنجینہ تھا
با خبر تھا، سر وحدت سے مگر آئینہ تھا

آنکھ سب کچھ دیکھ لیتی گو نشیمن دور تھا
صنعتِ صانع کا ہر ذرہ اسے اک طور تھا
ساغرِ ہستی مئے توحید سے معمور تھا
پی کے اک قطرہ بہک جاتا، نہ وہ منصور تھا

محرم اسرار حق تھا، زینتِ محفل بھی تھا
بھولے بھٹکے کارواں کا رہبر منزل بھی تھا

مشرق و مغرب پہ اس کے سوزِ دل کی دھاک تھی
اس کی فطرت بے غرض بے لوث تھی بیباک تھی
گردِ نیرنگِ جہاں سے طبع اس کی پاک تھی
دولتِ دنیا بھی نظروں میں خس و خاشاک تھی

شاعری اس کی کلام اللہ کی تفسیر تھی
اس کی اک اک بات، قومی درد کی تصویر تھی

آہ! رے مسلم، ترا آرام جاں جاتا رہا
خون رو! اے ہند تیرا پاسباں جاتا رہا
نظمِ ہستی کا وہ سچا ترجماں جاتا رہا
"وائے ناکامی"! متاعِ کارواں جاتا رہا

ملت آوارہ ہے! میر کارواں رخصت ہوا
جب بہاریں آ رہی تھیں باغباں رخصت ہوا

اے عروج شاعری! اب تیری قسمت لٹ گئی
جس نے بخشی تھی حیاتِ نو، وہ دولت لٹ گئی

فخر حاصل جس سے تھا تجھ کو وہ نعمت لٹ گئی
شعریت کی وہ ترنم ریز لذت لٹ گئی

قلب کو مسحور کر لیتا مگر ساحر نہ تھا
تھا امینِ راز قدرت، آہ وہ شاعر نہ تھا

آہ اب آئے گا کس کے نام پیغامِ حجاز
کون سمجھائے گا "اسرار خودی" کے سوز و ساز
اب "رموزِ بے خودی" کا کون ہو گا نغمہ ساز
اب صبا سے کون پوچھے گا سکوتِ گل کا راز

رہرو منزل پریشاں ہیں، فضا خاموش ہے
کارواں لوٹا گیا؟ بانگ درا خاموش ہے

آج گر خاموش تیرا ہو چکا سازِ حیات
حشر تک زندہ رہے گی تیری آوازِ حیات
کر چکا جب ساری دنیا پر عیاں رازِ حیات
چاہتا تھا اور رفعت تیرا شہبازِ حیات

تھی ادھر مصروف تیری روح جب پرواز میں
ہو رہی تھیں عرش پر خوشیاں تری اعزاز میں

کہکشاں کہتی تھی، درِ آبدار آنے کو ہے
واپس اپنے پاس حق کا راز دار آنے کو ہے
تھا فرشتوں کی زباں پر تاجدار آنے کو ہے
ملتِ بیضا کا یعنی جاں نثار آنے کو ہے

پیر گردوں نے کہا، وہ آرہا ہے سر بلند!
جس کے شکوے تھے سدا شانِ کریمی کو پسند

بولے سیارے، زمیں کا حال کیا ہو جائے گا
دھوم ہے حق کا پیامی آج واپس آئے گا
چاند کہتا تھا کہ دیکھو کچھ نہ کچھ رنگ لائے گا
اس کا جانا اہلِ دنیا پر قیامت ڈھائے گا

بولا رضواں اسلم صادق کا استقبال ہے
بعد ملت کے کھڑا ہوں، آمدِ اقبال ہے

آہ! اے اقبال تجھ کو بے خبر سمجھے نہیں
جو سمجھنا چاہیے تھا اس قدر سمجھے نہیں
ہائے کیا بد بخت تھے جو بے بصر سمجھے نہیں
زعم باطل تھا کہ سمجھے ہیں مگر سمجھے نہیں

تو زمانے سے نرالا تھا، انوکھے طور تھے
تیرے آئینے میں وہ رمز نہاں کچھ اور تھے

یوں تو چلتے ہی رہیں گے کاروبارِ زندگی
گہ بجھیں گے، گاہ بھڑکیں گے شرارِ زندگی
آئے گا دردِ خزاں بھی اور بہارِ زندگی
گل کھلائے گا ہزاروں لالہ زار زندگی

اور صدہا ہوں گے پیدا فلسفی، شاعر، ادیب
آہ یہ ممکن نہیں اقبال ہو گا پھر نصیب

موت کی ساعت کوئی قوت ٹلا سکتی نہیں
اور تنِ مردہ میں واپس سانس آسکتی نہیں
اپنی حد سے عمر اک لحظہ بڑھا سکتی نہیں
روح کو لیکن اجل ہرگز مٹا سکتی نہیں

جس کی فرقت میں جہاں بے چین ہے، بیتاب ہے
دامنِ رحمت میں اس کی روح محوِ خواب ہے

محسنِ قوم اقبال

بچہ ماں

لطیف النساء بیگم

میری امی جان مجھ سے کہیے ذرا
یہ تھا کون اقبال جو مر گیا

یہی ذکر ہر صبح و شام ہے
جدھر دیکھو اقبال کا نام ہے

بہت یوں تو مرتے ہیں دنیا میں لوگ
نہیں ہوتا لیکن کسی کا یہ سوگ

خبر پڑھ کے اخبار میں موت کی
لگی رونے اس روز تھیں آپ بھی

ہر اک اس کے مرنے سے بیتاب ہے
میں حیراں ہوں امی یہ کیا بات ہے

ماں

میری جاں تھا وہ بڑا آدمی
تڑپ قوم کی اس کے سینے میں تھی

نہ روؤں میں کس طرح اس پر بھلا
وہ محسن تھا پیارے مری قوم کا

بہت اس نے ہم پر کیے ہیں کرم
جنہیں یاد کر کر کے روتے ہیں ہم

یہ تعلیم دی ہم کو اسلام نے
ادا کر دو احسان، احسان سے

تری قوم کا میرے نور نظر
ہے خم مرنے والے کے احسان سے سر

ادا اس کے احساں ہوں گے کہاں
مگر یاد رکھے گا ان کو جہاں

اسی سے زمانے میں بس نام ہے
بڑی چیز انسان کا کام ہے

بڑا کام اس نے کیا قوم کا
جو چاہو کہ احساں ہو اس کا ادا

جگہ اس کی لے لو مرے لال تم
بڑے ہو کے بن جاؤ اقبال تم

یادِ اقبال

حیات لکھنوی

کون ہے جو نہیں اقبال ثنا خواں تیرا
تو وہ شاعر ہے کہ ہے شعر پہ احساں تیرا
تیرا پیغام ہے بیداری ملت کا سبب
جاگ اٹھی قوم زہے کارِ نمایاں تیرا
تیرے اقوال سے انسان کو ملا درس عمل
کیوں نہ ممنون ہو دنیا میں ہر انساں تیرا
تیری آواز ہے ملت کے لیے بانگ درا
ہادی منزلِ مقصود ہے فرماں تیرا
تجھ سے ملتی رہی اقوام کو تعلیم خودی
کلمہ کیوں نہ پڑھیں گبر و مسلماں تیرا
گرمیِ حسن و محبت ترے اشعار میں ہے
فلسفے میں بھی رہا ذوق نمایاں تیرا
کچھ سنا تو نے ترا مقصد خاص حیات
دل سے اے شاعرِ مشرق ہے ثناخواں تیرا

شاعرِ لاجواب

ڈاکٹر سلام سندیلوی

اس نے دی ساغرِ سخن کو شراب
بخشا اس نے رخِ چمن کو جمال
اس کا ثانی نہیں ہے اردو میں
شاعرِ لاجواب ہے اقبال

وسعتِ فکر اس کی لامحدود
اس کی نظروں میں آسمان و زمیں
اس نے دیکھی ہے تابِ شبنم و گل
وہ ہوا زہرہ و قمر میں مکیں

کبھی جگنو سے لی چمک اس نے
سبزہ و خار سے کبھی گذرا
کبھی پہنچا ہمالیہ کے قریب
ابرِ کہسار سے کبھی گذرا

جورِ یورپ پہ اس نے غور کیا
آہ و زاری میں کاٹ دیں راتیں
اس نے ترکوں کی داستاں چھیڑی
اس نے کی خضرِ راہ سے باتیں

علم و دانش کا وہ پجاری تھا
رہنما اس کے عرفی و طالب
شبلی و حالی و حا کے پیر مغاں
وہ پرستار بیدل و غالب

اس کو ہندوستاں سے الفت تھی
وہ سمجھتا تھا ذروں کو گوہر
ہند کے پیشواؤں کا مداح
رام و نانک کا وہ ستائش گر

یاد ہے اب بھی ہند والوں کو
اس قلندر کی مستی و رندی
گونجتا ہے فضاؤں میں ہر سو
اب بھی اس کا ترانۂ ہندی

فخر ایشیا

ظہیر غازی پوری

ہم نشینو! کیا بتاؤں تم سے کیا اقبال تھا
فکر و فن کی انجمن کا آئینا اقبال تھا

آبروے حسنِ الفاظ و نوا اقبال تھا
کعبہ فکر و تجسس کا خدا اقبال تھا

جتنا ہم سمجھے ہیں کچھ اس سے سوا اقبال تھا
زمرۂ آفاق میں بانگِ درا اقبال تھا

فلسفی دین و دنیا، رہبر علم و ادب
پاسبانِ قوم، ملت آشنا اقبال تھا

تھے مشیت کے تقاضے اس کی جاگیر نظر
دہر میں خیر و اخوت کی صدا اقبال تھا

خواب بن سکتا نہیں شاہین ہستی کا خیال
دیدہ ور، مردِ مجاہد، رہنما اقبال تھا

جس کی بے باکی پہ نازاں ہو وطن کی سرزمیں
وہ عظیم انسان فخرِ ایشیا اقبال تھا

مردِ مومن کا تصور، رہنمائے زندگی
لوحِ نطق ولب پہ لفظِ پارسا اقبال تھا

اک یقین و عزم کا پیغام ہر حرف و نوا
سچ تو یہ ہے مردِ کامل کی صدا اقبال تھا

منہدم جس عہد میں تہذیب کا گھر تھا بہت
فخرِ ادراک و فروغِ اتقا اقبال تھا

ٹوٹتی اقدار کے نوحے پڑھے جاتے تھے
سرخوشی آگہی کا ماجرا اقبال تھا

لے کے آیا تھا وہ ایسا مرہم آواز و صوت
ہر جگہ زخمی دلوں کا آسرا اقبال تھا

وقت کے رخ پر روا تھی نفرت وہ تحقیر کی
اور اخلاص و محبت کی ادا اقبال تھا

عزمِ محکم ہی سے ٹوٹا ظلمتِ شب کا طلسم
ہر اندھیرے میں اجالے کی دعا اقبال تھا

لب پہ اس کے نہ آسکتی تھی کبھی زخموں کی بات
ہر تنِ نازک پہ شبنم کی ردا اقبال تھا

اس جہاں میں عظمتِ انسانیت کا قدر داں
شاعرِ بے باک، پندار آشنا اقبال تھا

ہر نگاہِ زندگی کا عکس اس کے شعر میں
پیکرانِ حرف ومعنی کی ردا اقبال تھا

وہ فلک پیما کبھی تھک کر کہیں بیٹھا نہیں
کائناتِ بیکراں میں بھی ہما اقبال تھا

حق نگر، بے باک، خود آگاہ اور روشن دماغ
مختصر یہ ہے حقیقت آشنا اقبال تھا

اس کی اک اک بات دل پر نقش ہو کر رہ گئی
دہر میں حرفِ خودی کا ارتقا اقبال تھا

کون اسے میری طرح پہچان سکتا ہے ظہیر
اپنے اندر بھی تو صدیوں کی صدا اقبال تھا

نوحہ اقبال

محمد اسماعیل مسلم

آہ! اے اقبال اے چرخ سخن کے آفتاب
آہ! اے علم و تصوف کے درخشاں ماہتاب
اے مسیحِ ہند، اے عقدہ کشائے زندگی
اے امیر "انقلاب" اے ناخدائے زندگی
اے شہِ گردوں مکاں اے صاحبِ "ضرب کلیم"
سالکِ راہ ہدیٰ، اے مخزنِ عقلِ سلیم
تیری پرواز تخیل پر تخیل کو ہے ناز
تیرے اندیشوں میں مضمر گرمئ آہن گداز
تیرے سازِ فکر سے پیدا نوائے خسروی
تیرے استقلال سے لرزاں وجود بے دلی
تیرے رگ رگ میں نہاں تھی آتش عشق مجاز
تو نے ہی بخشا دلِ عشاق کو سوز و گداز
لے کے آیا ہے جہاں میں فطرتِ سیماب تو
تیری بیتابی کے صدقے تھا عجب بیتاب تو
آہ! اے اقبال اے لذت کش مینائے روم
اے حکیم کامگار اے رونقِ بزم علوم
کون ہو گا اب دیارِ شوق میں نغمہ طراز
کون ہو گا اب امینِ دولتِ سوز و گداز

کون دہرائے گا سرِ زندگی کی داستان
کون چھیڑے گا حدیثِ عظمتِ ہندوستان
نوعِ انسان کو خودی کے راز بتلائے گا کون
کاروانِ گم شدہ کو راہ پر لائے گا کون
قصرِ شعر و شاعری ہے سرنگوں تیرے بغیر
آرزوئے خام ہے "ذوقِ جنوں" تیرے بغیر
زندگی مجموعۂ اوہام ہے تیرے بغیر
آہ! سونی محفلِ اسلام ہے تیرے بغیر
خود بہ مستی و مرا آہ و فغاں آموختی
آتشِ درد و الم در سینہ ہا افروختی

اقبال کا مرثیہ

اکبر لاہوری

آج وہ مردِ خوش بیاں چپ ہے
جس کے چپ سے بس اک جہان چپ ہے
فلسفے کا دماغ مختل ہے
شاعری مہر بر زباں چپ ہے
ہے فصاحت جو سر بہ زانوئے غم
تو بلاغت بھی نیم جاں چپ ہے
لالہ و گل کا ترجماں نہ رہا
سخت صدمہ ہے گلستاں چپ ہے
آج چپ لگ گئی ستاروں کو
جن کی گردش کا راز داں چپ ہے
بزم الفت میں 'ہو کا عالم' ہے
ایک شوریدہ داستاں چپ ہے
ہو گیا سرد عشق کا بازار
کہ سوداگرِ زباں چپ ہے
محفلِ نعت ہو گئی سونی
کہ محمدؐ کا مدح خواں چپ ہے
کیوں نہ غم سے نڈھال ہو وہ قوم
جس کی عزت کا پاسباں چپ ہے
مل گیا خاک میں غرورِ حیات
جس کی عظمت کا ترجماں چپ ہے
روشنی کا زوال ہے اکبر
کہ وہ شیدائے داستاں چپ ہے

دلیلِ رہِ سخن اقبال

فضا جالندھری

مرا سلام دلیلِ رہِ سخن اقبال
دلوں کو آج بھی گرما رہا ہے تیرا خیال
ترے جمال میں تیری بصیرتوں کا جلال
تری نگاہ حقیقت شناسِ ماضی و حال

ترے سخن میں شادابیِ چمن اب بھی
تری حیات ہے اک شمعِ انجمن اب بھی

حکایتِ دلِ برباد ہے ترا شکوہ
زوالِ قوم کی روداد ہے ترا شکوہ
فغانِ ملتِ ناشاد ہے ترا شکوہ
حریفِ جراتِ فریاد ہے ترا شکوہ

جب آہِ غم کو رہِ مدعا نہ ملتی تھی
تری فغاں ہی سے زنجیرِ عرش ہلتی تھی

ہے آج بھی وہی رعنائی اثر تیری
ہے آج بھی دلِ آگاہ کو خبر تیری
شعاعِ مہر درخشاں ہے ہر نظر تیری
مری نظر میں حقیقت ہے جلوہ گر تیری

ترا کلام ہے گویا کلام فطرت کا
ترا پیام ہے گویا پیام فطرت کا

ترے کلام نے عالم کو زندگی بخشی
خودی کے نغمے سنائے خود آگہی بخشی
نظر نظر نے ہر اک دل کو روشنی بخشی
نفس نفس نے زمانے کو زندگی بخشی

جبینِ شعر ہے اور آستانۂ اقبال
جہاں میں گونج رہا ہے ترانۂ اقبال

نگاہِ خلق میں مستور ہے جہاں ہے تو
مکاں سے دور کہیں محو لامکاں ہے تو
ہمیں ہے تیری ضرورت مگر نہاں ہے تو
خدا کے واسطے آواز دے کہاں ہے تو

فدا بہار، ترے جانفزا تبسم پر
فضا نثار ترے دل نشیں تکلم پر

ماتم اقبال

محمد یحییٰ اعظمی

آہ اقبال اے مرغِ نوا سنجِ حیات
ہو گیا محروم نغموں سے ترے مشرق کا باغ
شاعرِ اسلام سے خالی ہوئی بزمِ وجود
سینۂ امت نہ کیوں ہو فرطِ غم سے داغ داغ
تو نے پایا تھا ازل سے سوز سلیمان و ادریس
تیری بزم دل میں روشن تھا محبت کا چراغ
کون اب ہم پر کرے گا فاش اسرار و رموز
فکر کس کا اب لگائے گا حقیقت کا سراغ
الوداع اے ملت اسلام کے روشن دماغ
الفراق اے عالم توحید کے چشم و چراغ
آہ اب دنیا سے وہ اسرار کا حامل گیا
اس جہانِ آب و گِل کا عارف کامل گیا
خاکدانِ دہر میں ملتا تجھے کیوں کر قرار
خلد میں تھا مرشد رومی کو تیرا انتظار
شوق میں تھیں جس کے اک مدت سے آنکھیں فرش راہ
آگیا خود آج وہ دیرینہ یار غم گسار
رومی و رازی کہیں، سینا و فارابی کہیں
خیر مقدم کو کھڑے ہیں سب قطار اندر قطار
قدسیانِ پاک میں بھی ہے یہ غوغا چار سو
آگیا ہاں آگیا وہ لا مکاں کا رازدار

آہ اے اقبال! اے خاور کی جانِ آرزو
برق بن کر دوڑتی تھی جس کی موجِ آتشیں
کیا ہوئی اب وہ نوائے خامۂ معجز نگار
اب کہاں ہے وہ ادا دانِ مزاجِ کائنات
اب کہاں ہے آہ وہ فطرت شناس روزگار
آج ہیں سوئے پڑے حکمت کے بت خانے تمام
خوں فشاں ساقی کے غم میں ہیں خم و مینا و جام

اے حیات امروز مشرق یہ تیری آرام گاہ!
اب قیامت رہے گا آستانِ مہر و ماہ
لے کے سوغاتیں درودِ دل کی قطار اندر قطار
نوریانِ عرش اتریں گے یہاں شام و پگاہ

چھوڑ کر مشرق ہوا تو عازم دار القرار
آسماں اس پر کرے گا گوہر و انجم نثار
ہوں گے ذرہ ذرہ پر اس کے تصدق مہر و ماہ
چپہ چپہ ہو گا ارباب نظر کی سجدہ گاہ
ذرہ ذرہ دید افلاک کا نورِ نگاہ!
ہے سیاہ پوش آج ماتم میں مری امت تمام
ہر لبِ مومن پہ جوش غم سے ہے فریاد و آہ
اٹھ گیا دنیا سے وہ شوریدہ خاک حرم
ہے بجا گر یثرب و بطحا ہوں وقف درد و غم

اقبال

بسمل دہلوی

زہے اقبال کی ندرت وہ اندازِ بیاں اس کا
وہ نوع کش مکش وہ دفتر سوزِ نہاں اس کا
یہ کب ممکن ہے بالائے فلک ہو آشیاں اس کا
بعیدِ فہم ہے اندازۂ حدِ گماں اس کا

وہ اپنے دل میں طوفانِ حرارت لے کر آیا تھا
جگر میں سوز آنکھوں میں مروت لے کر آیا تھا

وہ تاریکی زنداں دیکھ لیتا تھا نشیمن سے
حریم ناز کے پردے اٹھا دیتا تھا چتون سے
پئے صحرا نہ لیتا تھا گل و لالہ وہ گلشن سے
بدل دیتا تھا ایجادِ سکندر قلب آہن سے

ہما اس کی نگاہِ دوررس کی زد میں رہتا تھا
جنوں تک عالم ادراک کی سرحد میں رہتا تھا

کبھی وہ شانِ اسرار خودی کو سامنے لایا
کبھی اس نے رموزِ بےخودی کا درس فرمایا
کبھی نظم حیاتِ مستقل کا نکتہ سمجھایا
کبھی دنیا کے منظر پر مع ضربِ کلیم آیا

درِ معبود پر پہنچے دلِ دردِ آشنا لے کر
کبھی شکوہ بہ لب ہو کر کبھی بانگِ درا لے کر

جنوں میں اک تدبر اور تدبر میں جہاں بانی
جہاں بانی میں درویشی مگر مسجود سلطانی
سمجھتا ہوں کہ اب کیوں ہے فرشتوں کو پریشانی
ہوئی اقبال سے تکمیلِ احساساتِ انسانی

دریں عالم غم اقبال بسمل رہنما دارم
مکویش می توانم شد اگر بختِ رسا دارم

نذرِ اقبال

سرور اکبر آبادی

کیا پیدا زمانے میں نیا رنگ ادب تو نے
زباں کو دل لبھانے کے سکھائے لاکھ ڈھب تو نے
نہ بھولے گی نہ بھولے گی ترے احسان کو اردو
بنایا ہے اسے ہر رنگ سے جانِ طرب تو نے

تیری رنگیں بیانی کا سبھی اقرار کرتے ہیں
تخیل سے ترے پیدا نئے افکار کرتے ہیں
ترے ذوقِ تکلم نے دیا اندازِ نو سب کو
پرانے روپئے پیدا ترے اشعار کرتے ہیں

ترے نغمات نے جذبات میں اک صورِ نو پھونکا
ترے حسنِ تخیل کا زمانہ ہو گیا شیدا
کیا ذوق یقیں پیدا ترے رشد و ہدایت نے
کہ سازِ قلب سے ہونے لگی آواز ہو، پیدا

ترا کردار تھا اپنی جگہ درس عمل ہم کو
تری تنقید نے بخشے ثقافت کے کنول ہم کو
نہ بھولیں گے ترا احساں اربابِ قلم ہرگز
بڑے مشکل مسائل کے بتھائے تو نے حل ہم کو

ترازوِ قلم اک ضرب کاری ہے زمانے پر
ہوئی بیدار قوم خفتہ تیرے اک ترانے پر
ترے ادراک نے بخشے ہیں جوہر علم و حکمت کے
فسانہ تیرا غالب کیوں نہ آئے ہر فسانے پر

تری آواز نے محفل کو سوز و ساز بخشا ہے
دلوں کو زندگی کا اک نیا انداز بخشا ہے
خودی جوشِ عمل ایمان محکم کا سبق دے کر
ہمیں تو نے بڑا اقبال اور اعزاز بخشا ہے

تری آواز سے اندازۂ الہام ہوتا ہے
ترا پیغام ذوقِ عشق کا پیغام ہوتا ہے
تری آزاد گفتاری کا جاں افزا لب و لہجہ
سرور خاص ہوتا ہے صلائے عام ہوتا تھا

آہ اقبال

اختر ہوشیار پوری

آہ اے اقبال اے قندیل بزم شاعری
ہاں بجا ہے شاعری جزویست از پیغمبری
اے شہِ اقلیم معنی اے ادب نکتہ کار
کس بلندی پر سفر کرتا تھا تیرا راہوار
تیرے ہر اک شعر میں رقصاں ہے خونِ زندگی
تو نے پھونکا ہے زمانہ میں فنونِ زندگی
کر دیا بیدار تو نے خفتگانِ ہند کو
درسِ حریت دیا مردہ دلان ہند کو
نوجوانوں کو جوانی کے بتائے تو نے راز
تو وہ رہبر تھا کہ سارے کارواں کی جان تھا
کارواں کی جان کیا ہندوستان کی جان تھا
بے دلوں کو کامرانی کے بتائے تو نے راز
نوحہ خواں ہے آج ساری انجمن تیرے لیے
مدتوں خوں روئے گا چرخِ کہن تیرے لیے
تیرے دم سے علم و حکمت کا جہاں آباد تھا
فیض سے جس کے ہر اک ناشاد انساں شاد تھا
ضو ملی تھی شمعِ قرآں سے تیرے پیغام کو
پا گیا تھا تو رموز و حکمت اسلام کو
درس آزادی دیا تو نے غلام آباد میں
حریت کے ولولے تڑپے دلِ ناشاد میں

تو نے بھر دیں نوجوانوں کے لہو میں بجلیاں
دل میں احساسِ خودی اور گفتگو میں بجلیاں
ہے تیری بانگِ درا اک رہنمائے زندگی
زندگی کو جس نے بخشی ہے ضیائے زندگی
تو ہمارے واسطے اللہ کا انعام ہے
فلسفی تھا رہنما تھا شاعرِ اسلام تھا
شاعری تیری خدا کے حکم کی تعمیل ہے
تیری پروازِ تخیل شہپر جبریل ہے
برف زاروں میں پڑھا جائے اگر تیرا کلام
تند شعلوں میں بدل جائے ہواؤں کا نظام
کوہساروں میں تیرے نغموں سے پیدا ہو گداز
رعد پاروں کو نوا ہو تیرا ساز
کڑکڑاتے شعر میں ہے سازوسامانِ حیات
قلب مسلم میں نہیں بیدار ارمانِ حیات
اک یہی تیرا مخاطب ہے کہ محوِ خواب ہے
ہائے اک ذوقِ ترقی اس میں ہی نایاب ہے
آہ تیری جانشینی کے لیے کوئی نہیں
نکتہ چیں ہے خوشہ چینی کے لیے کوئی نہیں

نذرِ عقیدت

حفیظ بنارسی

کچھ ایسی عظمت و خوبی ترے کلام میں ہے
جبینِ وقت جھکی تیرے احترام میں ہے

کبھی ہے محوِ ثنائے محمدؐ عربی!
کبھی زباں تری مصروف مدحِ رام میں ہے

تو عہدِ نو کا پیامی بھی تھا، مگر تجھ پر
عیاں تھا عیب جو اس عہد کے نظام میں ہے

سمجھ سکے گا وہ کیوں کر ترا پیام ابد
ابھی اسیر جو گیسوئے صبح و شام میں ہے

ملا دوام اسے ضرب لا اِلٰہ کے بعد
جو آب و تاب تری تیغ بے نیام میں ہے

سرور بادۂ غالب بھی کم نہیں، لیکن
کچھ اور شے تری صہبائے لالہ فام میں ہے

ترا ترانۂ ہندی ہے لاجواب اب تک
کہ گونج اس کی ہر اک بزم خاص و عام میں ہے

فلاحِ نوعِ بشر ہے تری نگاہوں میں
پیام عظمت آدم ترے پیام میں ہے

گذر کہاں ہے وہاں بالِ جبریل کا بھی
تری بلندی تخیل جس مقام میں ہے

تری نگاہ سے چھلکا ہے جو بنامِ خودی
مزارِ جام کا نشہ اس ایک جام میں ہے

قبول اس کا یہ نذرانۂ عقیدت ہو
کہ یہ حفیظ بھی شاملِ صفِ غلام میں ہے

قطعات

نرسنگھ راج عالی

کیا موت نے ڈھونڈا ہے بہانہ اقبال
کیوں کر تجھے بھولے گا زمانہ اقبال
عالی کو تو رہ رہ کے خیال آتا ہے
اب کون سنائے گا ترانہ اقبال

بے تابیِ دل سے ہائے سوئیں کیوں کر
غم اشکِ رواں سے اپنے دھوئیں کیوں کر
عالی شعرا بہت ہیں، اچھے کم ہیں
اقبال کو ہم کھو کر نہ روئیں کیوں کر

اقبال کے حضور

نقش ہاشمی

حضرت اقبال اقلیم خودی کے تاجدار
دانش و حکمت شعور آگہی کے شہریار

شاعر ملت حکیم الامت اے اقبال مند
تیری پروازِ تخیل آسمانوں سے بلند

تو کہ تھا سقراط دوراں اے فلاطون زماں
عصرِ حاضر کے ارسطو، رازدارِ کن فکاں

وا کئے تیرے تجسس نے سب اسرارِ جنوں
رازدارِ دین فطرت محرم سوزِ دروں

کردیا آگاہ درسِ لاتحف لا تحزنوں
منکشف تو نے کئے ہر چند اعجازِ جنوں

قوم کو تو نے دیا وہ درسِ تعمیرِ خودی
چیر سکتی ہے ہمالہ آبِ شمشیر خودی

لالۂ صحرا سے بھی دیکھا ہے تجھ کو ہم کلام
تو نے دیکھا ہے تہ دریا میں موجوں کا خرام

چشم گردابِ بلا سے بھی تہ بحر خموش
تو کیا کرتا تھا صد نظارۂ حیرت بدوش

آشنائے رازِ تقدیرِ امم تو نے کیا
واقفِ سود و زیاں و بیش و کم تو نے کیا

تو نے بتلایا ہمیں کیا ہے جہانِ ہست و بود
لیس للانسان الا ما سعی کی ہے نمود

ہیچ تھے تیری نظر میں یہ ستاروں کے جہاں
ہے ازل سے مردِ مومن وارثِ کون و مکاں

قلزمِ ذخار حیرت میں اتر جاتا تھا تو
سرحدِ عرشِ بریں تک کی خبر لاتا تھا تو

خونِ دل سے تو اٹھاتا تھا خمیر آرزو
اور جگر کاوی تھا اسلوبِ ضمیرِ آرزو

صاحب سر نہاں اے شارح موت و حیات
تجھ پہ وا تھے عقدۂ رازِ درونِ کائنات

تو نے ہی تقلید مغرب کے بتائے سیئات
اور بتائے اصولِ فلسفہ ہائے حیات

اشتراکیت ہو یا مغرب کا جمہوری نظام
ہے یہ دستِ کودک ناداں میں تیغِ بے نیام

مغربیت ہے حیا سوزی ریاکاری کا نام
دین احمد جان و دل سوزی و دلداری کا نام

دیدۂ بینائے فطرت یہ ترا ذوقِ بلند
تو نے ہی شبنم میں دیکھا آفتاب آئینہ بند

جذب و مستی ذوق و شوقِ عشق تھی تیری نماز
تیری آہِ نیم شب کا سرمایۂ سوز و گداز

خاکِ پاکِ یثرب و بطحا تری آنکھوں کا نور
اور حدیثِ صاحبِ قرآں ترے دل کا سرور

اے محقق اے محدث اے مفسر اے حکیم
اے کلیم طور جاں لے وارثِ دلق و گلیم

آسماں پہ آج بھی چرچے ہیں تیرے نام کے
نقش قائل ہیں فرشتے بھی ترے الہام کے

شاعری میں جس نے دہرایا

پیامِ مصطفیٰؐ

رانا بھگوان داس بھگوان

وہ مفکر، وہ مجدد، وہ سخن ور، خوش نوا
جس کا رمز شاعری ہے رمز احکام خدا

وہ مفسر، دین کے احکام کا قرآن کا
شاعری میں جس نے دہرایا پیام مصطفیٰؐ

شعر کی معجز نما طاقت سے جس نے قوم کو
قوتِ فکر و عمل کا اک نیا مژدہ دیا

اس کا نغمہ لا الہ اس کا ترانہ حرف حق
قلب پر پھر نقش الا اللہ قائم کر دیا

شعر سے صیقل کیا ہے جس نے ضمیر قوم کو
جوہر انسانیت کو خوب تاباں کر گیا

آہِ سوزاں سے یہ کس کی ؟ قوم زندہ ہو گئی
کون ہے؟ وہ جس کا نغمہ بن گیا بانگِ درا

کس نے شعروں میں بھرا ہے سوزِ قلب مرتضیٰ؟
کس نے مظلوموں کو بخشا عزم شاہِ کربلا

کون ہے؟ وہ جس کا نغمہ نغمۂ جبریلؑ ہے؟
شعر جس کا بن گیا شرحِ فرمان خدا

کون ہے؟ وہ جس کا نغمہ صورِ اسرافیل ہے؟
شعر سے جس نے دلِ مردہ کو زندہ کر دیا

جس کے ہر ہر لفظ میں الہام جیسی شان ہے
شاہد اس کے شعر عالمگیر کا بھگوان ہے

قطعہ

قوم کے اقبال تیری شاعری الہام ہے
جوہر شانِ خودی کا مستقل پیغام ہے
شاعر انِ خوش نوا کی شان ہے اقبال تو
اہلِ مشرق کے لیے اللہ کا انعام ہے

اقبال

مجازی لکھنوی

رنگ اقبال پہ میں کر چکا، اظہارِ خیال
نظم بھی لکھنے پہ سب کرتے ہیں اصرار بہت
یاں یہ ہے عذر، قصیدہ تو نہیں اپنا کلام
مدح آسان ہے، تنقید ہے دشوار بہت
تاج غالب کا اس اک سر کے لیے زیبا ہے
ورنہ اس جاہ کے ملتے ہیں طلبگار بہت
آج اردو میں اس اک دم سے ہے بس رنگِ ادب
ورنہ گلزار میں آتے ہیں نظر خار بہت
وہ مے و جام میں ساقی کی نگہ دیکھتا ہے
چشم نرگس" کے تو گلشن میں ہیں بیمار بہت
وہ ملت بھی ہے اور دین کا پیغام بھی ہے
ڈیمنٹے ہند کا ہے، مظہر الاسلام بھی ہے

اقبالِ قوم

ڈاکٹر سید صفدر حسین

اور نظام جہاں کیا ہے تری کائنات
سلسلۂ روز و شب، سلسلۂ واردات

سنگ کے کچھ شعبدے، رنگ کے کچھ شعبدے
بحر کے کچھ سانحات، لہر کے کچھ سانحات

شعلگی نار و نور جلوگی بے ظہور
بارگہ ممکنات، کارگہ معجزات

خواب و خبر عارضی، کیف و اثر عارضی
رقصِ شرر بے ثبات، سوزِ جگر بے ثبات

روزِ ازل سے ہے گرم معرکۂ مرگ و زیست
اس کی ولادت کی صبح، اس کی شہادت کی رات

کرم ہو یا ماہتاب، ذرہ ہو یا آفتاب
ایک ہی ہے اس کی لو، ایک ہی ہے ان کی ذات

عشق میں اور حسن میں ربط مسلسل تو ہے
پردۂ حائل مگر پھر بھی ہے فرقت کی رات

سوز میں بھی ایک ساز، ناز میں بھی اک نیاز
ایک ہیں دونوں کی ذات گرچہ خدا ہیں صفات

عقل و جنوں رات دن اب بھی ہیں گرم ستیز
گاہ جنوں کی شکست، گاہ خرد کی ہے مات

روشنی و تیرگی دل میں لیے ایک راز
غنچگی و عقدگی منہ میں لیے ایک بات

کیا ہے سحر کا پیام، کیا ہے اندھیرے کا کام
ان کے اشاروں کے نام کب ہیں رہینِ لغات

جس کی نظر سے ہوں فاش ان کی نظر حقیقت کے راز
ہے وہی فطرت گداز، پردہ درِ کائنات

شاعرِ اقبال نام، نطق کا تجھ پر سلام
تیرا بیان جلی، آئینہ شش جہات

تجھ سے ہوئیں دھڑکنیں سینۂ آدم کی تیز
کاشفِ فطرت ہے تو شاعرِ سوزِ حیات

چاک کیا تو نے جب اپنا گریبان شوق
چاک ہوا خود بخود پردۂ ذات و صفات

ہاتھ میں تیرے جو ہیں شہپر جبریل فن
ان سے بنیں گے قلم نقش گر کائنات

ہاتھ میں جو دھجیاں دامنِ گردوں کی ہیں
ان سے رفو ہو گا کل سینۂ چاکِ حیات

تیری نظر کا صعود، شاہدِ کل شہود
ناظرِ قلبِ وجود، دیدۂ در بینات

تو نے جو دیں وسعتیں حلقۂ زنجیر کو
پھیل گیا اور بھی دائرۂ ممکنات

جام میں تیرے وہ ہے بادۂ حبِ حسین
جس سے ہوئے شاد کام تشنہ لبانِ فرات

تو کہ ہے اقبالِ قوم، شارحِ اجمال قوم
پرتو اجلال قوم، مصر و عجم کی برات

عشق کے رنگیں محل، عقل کے سنگیں محل
تجھ سے ہوئے پاش پاش، عرش تلک تیرے ہات

بت کدۂ ذہن میں تیری اذانوں کی گونج
آج بھی سجدے میں ہیں فکر کے لات و منات

بلبلِ شیراز فن، شاعرِ شیریں دہن
ہے تری نذرِ سخن، کوزۂ شاخِ بنات

صفدر دریوزہ گر، خوار ہو کیوں در بدر
اس کو ملے اک نظر دولت فن کا زکات

بانگ درا کا جنم

عبد المتین نیاز

چشم نرگس کو تھا بے نوری کا غم
اور چاروں سمت تھی اندھی خلاء
وقت کے گنبد کی بے حس خامشی
ان گنت صدیوں سے تھی بانگ درا کی منتظر
فکر و احساسات تھے سب بے خراش
خوں شدہ جذبات پھر سے چاہتے تھے زندگی
شعر و فن، علم و ہنر کو کھوج تھی
اک نئی تحریک کی
ایک ایسے نطق کی
جو اجنبی الفاظ کو اظہار کی پہچان دے
ایک ایسے ذہن کی
جو "خودی و بے خودی" کے راز کر دے آشکار
ایک ایسی فکر کی
جو آگہی اور حکمتوں کے راستے پر چل سکے
ایک ایسی عقل کی
جو آشنا ہو اصل میں عشق و جنون کے رمز سے
ایک ایسی آنکھ کی
جو پردہ اسرار سے آگے کے منظر دیکھ لے

ایک ایسے گوش کی
جو آنے والے وقت کی سرگوشیوں کو سن سکے
ایک ایسے شخص کی
جو شخص ہو "شاہیں" مزاج
جس کی طبعِ صاف رکھے نفرتوں سے اختلاف
ایک ایسی روح کی
جو فلسفوں کی آگ سے رنگِ حرارت لے سکے
پیکرِ اقبال میں در آئیں جب یہ سب صفات
علم و حکمت شعر و فن کی جستجو کو مل گئے امکاں نئے
خانہ تہذیب کی رونق بڑھی
چشمِ نرگس دیدۂ بینا ہوئی
وقت کے گنبد کی خاموشی میں گونجی اک صدائے زندگی
حسیت کے لشکروں نے روند ڈالی بے حسی

ہدیۂ عقیدت

بشر افغانی

جہانِ شاعری میں نور برساتا ہوا آیا
فضائے حکمت و الہام پر چھاتا ہوا آیا

بڑا احسان ہے اردو پر اس کے نطقِ شیریں کا
وہ فنِ شعر کی تکمیل فرماتا ہوا آیا

مضامیں کی بنا رکھتا ہوا اعلیٰ تخیل پر
نئی راہیں ادب کی سامنے لاتا ہوا آیا

رضائے مردِ مومن کو کیا تقدیر کا ہمسر
فضاؤں میں خودی کے زمزمے گاتا ہوا آیا

مسلماں کھو چکے تھے سوزِ دل افسونِ مغرب سے
انھیں پھر آتشِ رومی سے گرماتا ہوا آیا

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی"
عمل کی خوبیاں ملت کو سمجھاتا ہوا آیا

ضرورت مردِ مومن کو نہیں اسباب و ساماں کی
ہمیں فقر و رغنا کے راز بتلاتا ہوا آیا

یقیں کا ذوق زنجیرِ غلامی کاٹ دیتا ہے
غلاموں کو شہی کی راہ دکھلاتا ہوا آیا

دیارِ ہند میں گاتا ہوا توحید کے نغمے
وہ ملا کے صنم خانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا

کہا اس نے زمانے سے مسلماں مٹ نہیں سکتا
ترانے سطوتِ اسلام کے گاتا ہوا آیا
دیا بانگِ درا سے روح کو پیغام بیداری
وہ ملت کی گراں خوابی پہ غم کھاتا ہوا آیا
ازل میں دے دیا تھا بالِ جبریل اس کو خالق نے
سحابِ لطف بن کر ہند پر چھاتا ہوا آیا
بنا ضرب کلیم اس کے قلم سے حرف جو نکلا
وہ ہر فرعون کو اعجاز دکھلاتا ہوا آیا
فرنگی کو دیا پیغام نو ایوانِ مشرق سے
گل اسلام سے عالم کو مہکاتا ہوا آیا
بنا جس علم کی ڈالی گئی تھی بزم یثرب میں
وہ اس تعلیم کو دنیا میں پھیلاتا ہوا آیا

اقبال

عبدالرحمن برنی

السلام اقبال اے محبوبِ دوراں السلام
آسمانِ فکر کے خورشیدِ رخشاں السلام

السلام اے مردِ حق اے رومی عصرِ جدید
ہے تری بانگِ درا بیداری دل کی نوید

السلام اے ملت اسلام کے بطلِ جلیل
علم و دانش کا صحیفہ تیری بال جبرئیل

تیرا اک اک شعر ہے آئینۂ عزم صمیم
عہدِ حاضر کے خلاف اک جنگ ہے ضرب کلیم

عالم جاوید تک پہنچا ترا فکر حسیں
کیوں نہ دے دادِ تخیل تجھ کو جبریل امیں

جذبۂ حب نبیؐ کا اک گنج شائیگاں
تحفۂ آخر ترا یعنی حجازی ارمغاں

خوف یزداں عشق نبویؐ احترام آدمی
اللہ اللہ تیرا ایماں تیرا ظرفِ آگہی

یثربی نغمات ہندی لے میں تو گاتا رہا
فکر تیرا نورِ قرآں سے جلا پاتا رہا

تیرے شکووں، تیرے نعتوں سے ہوا یہ آشکار
"با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

تیرے افکارِ حسیں۔مں زیست کا پیغام ہے
تیرا اک اک شعر گویا پارۂ الہام ہے

شاعری کی پستیوں کو تو نے بالا کر دیا
علم وحکمت سے دماغوں میں اجالا کر دیا

جلوۂ تہذیب نو کی خیرگی جاتی رہی
دل چمک اٹھے نظر کی تیرگی جاتی رہی

اقبال

کاشی پریاگی

سامری کیشوں کی نظروں میں تو جادو گر ہے تو
میں جو کہہ سکتا تو کہہ دیتا کہ پیغمبر ہے تو

حدِ توصیف و ثنا و مدح سے برتر ہے تو
بحر اسلام و صفا صدق کا گوہر ہے تو

نور بیضا و دم عیسی نثار ہر شرر
مستتر لاکھوں سمندر ہیں وہ خاکستر ہے تو

سرمدی نعرے ہیں وقف لذت رقص و سرور
پیکرِ وجدان کو اک عیسوی نشتر ہے تو

میکڈوگل کا اگر ہے فخر تو گوئٹے کا ناز
فلسفہ کی وادیوں میں مشعلِ رہبر ہے تو

داغ اور حالی کی شان سرسید و اکبر کی جان
ن میں جو اوصاف تھے ان سب سے بڑھ کر ہے تو

ملک میں ہر دل پہ سکہ ہے تری تحریر کا
نطق پرور ہے زباں ساز اور قواعد گر ہے تو

شکوہ تیرا ہے اگر میزان لب کی آبرو
تو جوابِ شکوہ میں جبریل کا ہمسر ہے تو

صاف اسرار خودی میں ہیں رموز بے خودی
خود نفیس ی مشتری جس کا ہے وہ گوہر ہے تو

مہر علم و نخشب دل کا سب انوار ہیں
نور کی موجوں کا مخزن ہے مہِ انوار ہے تو

ہے پیام مشرقی تجدید اسلامی خیال
قدس کا بانگِ درا ہے جزو پیغمبر ہے تو

الوداع اقبال

علی اختر اختر

الوداع اے نطق کی سحر آفرینی کے امام
الوداع اے محفل معنی کے میر اہتمام
الوداع اے بزم مشرق کے خداوند سخن
الوداع اے نکتہ سنجِ نازش ارباب فن
الوداع اے مطربِ پاکیزہ الحاں الوداع
الوداع اے خسرو شیریں کلامی الوداع
الوداع اے حسنِ فطرت کے پیامی الوداع
جا! کہ تیری منتظر تھی دیر سے خلدِ بریں
اٹھ! کہ یہ دنیا ابھی اسرار کی محرم نہیں
الوداع اے سرخوش صہبائے عرفاں الوداع
اے کہ تیرے نور سے رخشاں ہوئی صبح وطن
تو نے کی ویرانۂ ہستی میں تعمیرِ چمن
ساز مغرب میں سمو دی نغمۂ مغرب کی لے
تو نے یاں بھر دی نئے پیالوں میں صہبائے کہن
ہستی موہوم سے پھوٹا حقیقت کا جمال
پنکھڑی پر جیسے رقصاں صبح کی پہلی کرن
تو نے ان پھولوں کو سینچا باغباں پختہ کار
انجم گردوں سے ٹکراتا ہے جن کا بانکپن

اب بجھا سکتی نہیں جس کو ہوائے روزگار
تو نے سینوں میں لگا دی زندگی کی وہ لگن
تو نے چھیڑا سازیوں اے مطربِ شیریں نوا
لے کے خود انگڑائیاں بھی عروسِ علم و فن
اللہ اللہ تیری فطرت کی جمال آرائیاں
خار و خس کو تو نے دی تقدیر ورد و یاسمن
تیری تدبیروں کا منت کش ہے آئینِ بہار
بھول سکتا ہی نہیں تیرا یہ احساں روزگار

شاعر ہندی کی سرگشتہ وھم و خیال
تو نے سمجھائے اسے فطرت کے اسرارِ جمال
"آرٹ" کی تعریف تھی یا گریۂ مرگ و مزار
شعر میں کہتے تھے یا افسانہ ہجر و وصال
استعارے کی لطافت، خوبیاں تشبیہ کی
سطح بیں شاعر کی زد میں ہو رہی تھیں پائمال
شعر نے تیرے سکھایا حسن انداز کلام
فکر نے تیری جلائی شمع آئین کمال
جوش ہے، میں ہوں بہت ہیں اور اہلِ نگاہ
تھی مگر کچھ اور تیری جنبش موجِ خیال
شعر کا فطری سلیقہ، آگہی، فکر عمیق

سچ تو یہ ہے ایک بھی ہم میں نہیں تیری مثال
شاہد ہستی کو تو نے دے دیا حسن دوام
نطق انساں کو تو نے کر دیا سحر حلال
تیری چوکھٹ پر ادب سے بڑھ کے رکھتے تھے جبیں
قیصر و کسریٰ کی عظمت، پیرِ دانش کا جلال
مدتوں کرتی ہے گردش جستجو میں کائنات
تب کہیں ملتا ہے ایسا محرم رازِ حیات

موت اور اقبال تو نے کیا کہا او سطح بیں
موت اس کے گوشۂ دامن کو چھو سکتی نہیں
تو ابھی تک نارسی کی حد میں ہے گم کردہ راہ
ہستی اقبال تھی سرنامۂ علم و یقیں
جس کی ہر نفس موت تھی نغمہ پردازِ حیات
شاہد مشرق کو جس نے کر دیا ناز آفریں
جاودانی حسن سے معمور تھا جس کا خیال
سرمدی انوار سے تابندہ تھی جس کی جبیں
جس نے مرجھائی ہوئی نبضوں میں دوڑایا لہو
خاک کے ذروں کو جس نے کر دیا گردوں نشیں
خاک کو جس نے گلستاں کی لطافت بخش دی
جس نے گردوں سے بڑھا دی سرحد اہل زمیں

جس نے کھولے بے خبر دنیا پہ اسرارِ حیات
جس کی باتیں دل پذیر اور جس کے نغمے دلنشیں
ہستی فانی کو جس نے جاودانی کر دیا
موت اس کو چھین لے ہم سے نہیں ہرگز نہیں
وہ بھی زندہ، اس کا پیغام عمل بھی زندہ ہے
زندگی کے نور سے اس کی جبیں تابندہ ہے

ڈاکٹر اقبال

اقبال ماہرانہ آبادی

دفترِ اہلِ سخن میں اک کمی پاتا ہوں میں
دہر کو اقبال! تیرا ماتمی پاتا ہوں میں
فلسفہ بے مثل تیرا فلسفی پاتا ہوں میں
مایہ دارِ علم تیری زندگی پاتا ہوں میں

ہم نوا بلبل کا تھا قمری کا ہم آواز تھا
فہم انساں سے جو بالا تر تھا تو وہ راز تھا

عندلیبِ جرمنی کا ہم نوا جاتا رہا
بزم میں شعر و سخن کا سب مزا جاتا رہا
اے دریغا پیکرِ مہر وفا جاتا رہا
وہ چمن سے طائر رنگیں نوا جاتا رہا

رونقِ محفل جو تھا وہ صاحبِ محفل نہیں
اک جہاں کا درد و غم جس میں تھا اب وہ دل نہیں

قید تھا مضمون بامِ عرش تیرے دام میں
تھی مئے شیراز کی اک موج تیرے جام میں
صورتِ سیماب تھا بے چین تھا آرام میں
زندگی الجھی تھی تیری دورِ صبح و شام میں

ہر نظر اقبال تیری التفات آمیز تھی
محفلوں میں تیری گویائی نشاط انگیز تھی

مضطرب ہیں جان کھوتے ہیں لہو روتے ہیں ہم
تیرے غم میں رات دن اشکوں سے منہ دھوتے ہیں ہم
لے کہ پہلو میں دل صد پارہ کب سوتے ہیں ہم
اے فدائے قوم تجھ پہ نوحہ گر ہوتے ہیں ہم

رہنما تھا پردہ دارِ قوم تھا اقبال تو
درس بیداری تھا تو بانگِ درا اقبال تو

درد میں ڈوبی ہوئی شاعر تری آواز تھی
یہ صدائے ساز آوازِ شکستِ ساز تھی
تو اگر خاموش تھا چشم حقیقت باز تھی
ہر ادا تیری بشر کی زندگی کا راز تھی

لب پہ تھا مرغِ تخیل کے محبت کا پیام
سب کو بھر کر دے گیا تو بادۂ الفت کا جام

ترجمانی کر رہا ہے تیری خود دیواں تیرا
اتحاد باہمی تھا تیرے دل کا مدعا
چاہتا تھا تو کہ بن جائے شوالہ اک نیا
شور ہو ناقوس کا جس میں موذن کی صدا

ہستی مطلق تھی الجھی اختلاف نام میں
فرق کچھ پایا نہیں تو نے رحیم و رام میں

اے جس کے قبضۂ قدرت میں ہے ہم سب کی جاں
جو ہے مسجود خلائق جو ہے خلاق جہاں
مرغ خوش الحان چلا ہے اب سوئے باغِ جناں
شاخِ سدرہ پر ہو اس رنگیں نوا کا آشیاں

جو فرشتہ خو ہیں یاروں سے جدا ہوتے نہیں
پردہ کر لیتے ہیں آنکھوں سے فنا ہوتے نہیں

آہ اقبال

علی احمد جلیلی

ہندوستاں پہ چھائیں کیوں شام کی گھٹائیں
ڈوبی ہوئی ہیں غم کے دریا میں کیوں فضائیں

پھیلی ہوئی ہے ہر سو کیوں موت کی خموشی
کیوں آج ہے حکومت ہر چیز پر خزاں کی

کیوں زندگی سراپا مغموم ہو رہی ہے
بے لطف اک کہانی معلوم ہو رہی ہے

لیلائے شب کی زلفیں کیوں منتشر ہیں اتنی
کیوں زرد پڑ گئی ہے شکل آج چاندنی کی

تر آنسوؤں سے کیوں ہیں مژگان و چشم انجم
کیوں آج لب پہ ان کے رقصاں نہیں تبسم

کیوں چپکے چپکے شبنم آنسو بہا رہی ہے
پیغام موت لے کر کیوں صبح آ رہی ہے

رنگینیاں ادب کی آنسو نہ کیوں بہائیں
کیوں شاعری کی شمعیں خاموش ہو نہ جائیں

اقبال وہ سپہر علم و ادب کا اختر
وہ فخر ملک و ملت وہ ہند کا سکندر

"بانگ درا" نے جس کی اسلام کو جگایا
"پیغام" جس نے اپنا "مشرق" کو کہہ سنا

وہ جس کی "بال جبریل" اہل سخن نے دیکھی
"ضرب کلیم" جس کی سارے جہاں میں گونجی

وہ جس کی شاعری کا چرچا تھا آسماں پر
فریاد جس کی پہنچی دنیا سے لامکاں پر

وہ جس سے زندہ شانِ اسلام ہو چلی تھی
رنگین داستان اسلام ہو چلی تھی

مسلم کے دل میں پھونکی ایمان کی روح جس نے
دھرائے جس نے قصے اک بار پھر احد کے

وہ جس کی ضو سے روشن ایوانِ شاعری تھا
سرسبز جس کے دم سے بستانِ شاعری تھا

افسوس آج رخصت وہ ہو گیا جہاں سے
ہم دوش ہے بہارِ شعر و ادب خزاں سے

گریاں رہیں گی آنکھیں ملت کی مدتوں تک
سونی رہے گی بزم معنی بھی مدتوں تک

وارث لوح و قلم شاعر آفاقی

علامہ اقبال

یزداں فرشتوں سے

منیر واحدی

ایک دن خلاق عالم نے فرشتوں سے کہا
ہے بہت حیرت فزا آدم کا انکار وجود
دانش حاضر کی مت پوچھو کرشمہ سازیاں
درہم و برہم ہے سر تا سر نظام ہست بود
طاہر لاہوت نے سیکھی ہے "کرگس" کی ادا
ظلمتِ افکار سے تاریک ہے بزم شہود
شورش باطل سے دب کر رہ گئی ہے حق کی لے
پیکرِ جامد بنا اس دور میں میر جنود
خم ہے راہب کی جبیں بتخانۂ تثلیث میں
فیض سے جس کے کلیسا بھی صنم آباد ہے
منحرف بندوں کو میرے کر دیا توحید سے
ابن مریم کا حواری بانی الحاد ہے
فتنہ پرور ہے زمانہ میں پرستارِ کلیمؑ
درس توریت مقدس کا اسے کب یاد ہے
ملت ختم الرسل ہے خانقاہوں میں اسیر
طاق نسیاں پر ہے قرآں اور یہ آزاد ہے

بزم امکاں میں ہوا لازم ورود اقبال کا
تاکہ چھیڑے ساز ہستی پر نوائے زندگی
عارف و عامی کو دے جا کر محبت کا پیام
گیسوئے سلمیٰ گیتی کی کرنے مشاطگی
دانش حاضر کو للکارے فراز طور سے
مشرق و مغرب کو سمجھائے مقاماتِ خودی
درس عبرت دے جہاں میں ہر بت پندار کو
عقل بے مایہ کو دے ذوقِ سرورِ سرمدی

اقبال یزداں سے

خالقِ ارض و سما اے کار ساز و کردگار
تیری بزم رنگ و بو کا دیدنی ہے انتشار
زیر دستوں پر زمانے میں روا ہے ہر ستم
حرص کے ہاتھوں قبائے زندگی ہے تار تار
حکمت مغرب اثر انداز ہے توحید پر
فہم سے بالا ہے ان کی سرجبر و اختیار
درمیاں دین وسیاست کے ہے جاری کش مکش
فکر کے آئینہ پر وہم گماں کا ہے غبار
مسئلہ درپیش ہے سرمایہ کی تقسیم کا

ہے مگر اس کا مساوات شکم پر انحصار
خاک مشرق جو کبھی تہذیب کا گہوارہ تھی
جس سے ابھرے اولیاء و انبیائے نامدار
بادِ مغرب کے اثر سے ایسی افسردہ ہوئی
اس کی خاکستر میں پوشیدہ نہیں کوئی شرار
کیا خبر تھی کام کر جائے گا کشنر کا فریب
اہرمن کر دے گا دامانِ خلافت تار تار
ساکت و خاموش ہو جائے گی موج رود نیل
خاک میں مل جائے گا ارباب ملت کا وقار
تابع افرنگ ہو گی سر زمین ہند بھی
یہ گلستاں ہو گا ان کی چیرہ دستی کا شکار
نقش عبرت خیز بن جائیں گے شیخ و برہمن
اور افرنگی سنبھالیں گے عنانِ اقتدار
چشم دل نورِ بصیرت سے ابھی محروم ہے
اور سینہ میں نہیں سوزِ محبت کا شرار
ذہن کا آئینہ کر لیتا ہے ہر پرتو قبول
فکر اب تک عالم مغرب کا ہے زنار دار
زیر گردوں وحدت آدم ہے دیوانے کا خواب
رنگ و نسل و قومیت پر ہے اخوت کا مدار

مضطرب سیماب صورت روز و شب رہتا ہوں میں
تا کہ ہو قائم جہاں میں اک نظام پائدار
مرتعش ہے نغمہ لا سے فضائے کائنات
رمز باریک خودی آخر ہو کیوں کر آشکار
مجھ کلیم بے عصا کو بخش اعجاز کلیم
زندہ فیضانِ تکلم سے ہو روح روزگار

ندائے سروش

کار آساں ہے زمانہ میں تمیز نیک و بد
دل اگر سینہ میں ہو پاکیزہ مانندِ حرم
ذہن کو اپنے مجلا صورت آئینہ کر
غم نہ کر اقبال تو ہے وارثِ لوح و قلم
فقر کی دولت ہو تیرا ساز و برگ زندگی
تیری غیرت کے منافی نشتر" لا و نعم"
بہرہ ور سرمستی علم نوی سے ہو مگر
ہو ترے پیش نظر ہر لحہ آثارِ قدم
میں ازل ہی سے مقدر کر چکا تیرے لیے
فلسفہ انسانِ کامل کو مدلل کر رقم
از سرِ نو فاش کر توحید کا رازِ دروں
چھوڑ اوروں کے لیے افسانہ دارا و جم

رقص تن کی کیفیت پیمانۂ مغرب میں ہے
رقص جاں کا بادۂ مشرق سے ساماں کر بہم
غوطہ زن رومی کے بحر معرفت میں ہو ذرا
کم نگاہوں میں عیاں کر سر "قد جف القلم"
پیش مخلوقات خم ہے حق پرستوں کی جبیں
فلسفہ سر خودی و بے خودی کا کر رقم
عشق کی مستی سے عالم گیر بن جاتی ہے عقل
چومتے ہیں آستانِ فقر کو جاہ و حشم
شاعرِ آفاق بن کارِ نبوت ہے یہی
دلبری باقاہری ہے سر معراج امم
بندگانِ خاص کی مانند لب پر ہو ترے
نعرہ لاموجود الا اللہ کا پیش صنم

ترجمانِ رسول

ظہیر احمد ظہیر

اے شناسائے اخوت، راز دارِ آگہی
قوم کو تو نے دکھائی ہے خودی کی روشنی
تو محمدؐ کے کلام پاک کا ہے ترجماں
بندۂ خاکی سے تیرے وصف ہوں کیسے بیاں
تو نے بخشی ہیں جہاں کو دھڑکنیں احساس کی
ہو گئی ہیں دور جن سے سب گھٹائیں یاس کی
تیری سوچوں کو ملا ہے اس جہاں میں وہ مقام
جن کو قوتیں چھو کے پیدا کرتی ہیں دنیا میں نام
تو بہاروں کی ادا ہے اے چمن کے راز داں
تو نشاطِ زندگی کے واسطے روشن نشاں
کوثر و تسنیم کے دھارے ترے اشعار ہیں
جن سے دنیا جگمگائے وہ ترے افکار ہیں
تو نے بخشی ہے اندھیروں کو اجالوں کی سحر
کور چشموں کو عطا کی ہے وفاؤں کی نظر
تجھ سے روشن ہیں دیارِ لالہ و سرو سمن
تجھ سے قائم ہے جہانِ آگہی کا بانکپن
ملت بے کارواں کے واسطے ہے راہبر
تو نے بخشا ہے ہمیشہ قوم کو عزم سفر

آدمیت منہ چھپا کر آج روتی ہے یہاں
آج پھر تیری کمی محسوس ہوتی ہے یہاں
بھول کر افکار تیرے سانحہ کیسا ہوا
منتشر پھر ملت بیضا کا شیرازہ ہوا

قوم پھر کرنے لگی ہے امتیازِ رنگ و بو
مل رہی ہے خاک میں انسانیت کی آبرو
گمراہی کا جال پھیلا پھر وفا کے شہر میں
ایسا اندھیرا کبھی چھایا نہ تھا اس دہر میں
اک عقابی روح کی ہے منتظر تیری نظر
"نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر"

محمد اقبال

حامد علی خاں

فنا پر خندہ زن اقبال عالی گوہری تیری
کہ ہے صورت نما اللہ کی صورت گری تیری
لرز جاتا ہے جذبِ عشق حق سے عرش کا پایہ
ہٹاتی ہے پرے جبریل کو بھی بے پری تیری
پھر اب کرو بیاں عرش کو اک سجدہ لازم ہے
عروجِ آدم خاکی کا زینہ رہبری تیری
انا الحق گو ہے عشق حق میں بندوں کی خود آگہی
بناتی ہے خدا، انسان کو صنعت گری تیری
سکھائے چیونٹی کو تو نے آداب سلیمانی
گدا ہو خسروی جس کی، وہ دولت بے زری تیری
رسول اللہؐ کے پیغام کی تفسیر کی تو نے
چلی ختم الرسل کے بعد بھی پیغمبری تیری
یہ فوق الخلق تخلیق اور یہ صد جلوہ
مسلم ہے جہاں شاعری میں داوری تیری

شاعرِ مشرق

میر محمد علی خاں میکش

آسمانوں سے گذر جاتی تھی جس کی جستجو
بندگی میں جس نے کی تھی اپنے رب سے گفتگو

عرشیوں کے دل ہلا دیتا تھا جس کا اضطراب
ذاتِ باری نے دیا تھا جس کے شکوے کا جواب

جس کی آہوں کے شرارے دل کو گرماتے رہے
جس کے آنسو کوثر و تسنیم چھلکاتے رہے

جس کی الجھن مسلماں کے لیے وجہِ سکوں
تھا خرد آموز مشرق جس کا اندازِ جنوں

بے خودی میں جس کا ہر نفس خودی کا راز تھا
سوز کے پردے میں جس کا ہر نفس اک ساز تھا

کس لیے روتا ہے؟ اس کی موت پر اے کم نظر
موت اک نظر پر دا ہے ثباتِ زیست پر

مردِ مومن مسکراتا ہے اجل کو دیکھ کر
قید و بند زندگی کے ماحول کو دیکھ کر

ڈھونڈتا ہے بحر میں ساحل سفینے کے لیے
زندہ جاوید مرتا بھی ہے، جینے کے لیے

تن ہوا ٹھنڈا تو کیا، ہے روح گرمائی ہوئی
موت کے پردے میں بھی ہے زندگی آئی ہوئی

چیر کر سینے کو داغِ دل دکھانے کے لیے
عرش پر روٹھے ہوئے رب کو منانے کے لیے

خلد کو اپنے ترانوں سے سجانے کے لیے
اڑ گئی بلبل قفس سے آشیانے کے لیے

محرم منزل تھا، رستے میں ٹھہر سکتا نہیں
کہہ رہی ہے زندگی اقبال مر سکتا نہیں

سفیرِ نور

اظہر احمد کمالی

طلسم حکمتِ افرنگ توڑ کر اقبال
بلند مرتبۂ ایشیا کیا تو نے
شعور و فکر کے جادو جگا کے انساں کو
خدا شناس و خودی آشنا کیا تو نے

ہے ساز رام کا آہنگ تیرے نغموں میں
ترے رباب میں گیتا کی سرگم ہے
نگاہ و دل ترے حلقہ بگوش میر حجاز
ترا دماغ مزاج آشنائے گوتم ہے

تری نواؤں میں دھڑکن ہے قلب مشرق کی
شبِ سیہ میں ہے بانگ درا تری آواز
کیا ہے تو نے وضو اشک صبح گاہی ہے
عطا ہوا تجھے رومی کے دل کا سوز و گداز

بتائے تو نے رموزِ خودی زمانے کو
تو چاہتا تھا کہ انسان دیدہ ور ہو جائے
سفیر نور تھا، دشمن تھا تو اندھیروں کا
تو چاہتا تھا کہ ہر رات کی سحر ہو جائے

نفس ترا نفس جبرائیل کا حامل
فروغِ عشق سے روشن ترے ضمیر و دماغ
یہ تیرے سوزِ یقیں ہی کا اک کرشمہ ہے
کہ آج ظلمتِ اوہام میں جلے ہیں چراغ

ہے کل کی بات کہ ابتر تھی بزم خاور کی
ترے ورود سے پہلے عجیب عالم تھا
دیارِ زیست میں زخم دل بشر کے لیے
نہ چارہ ساز نہ پرسانِ غم، نہ مرہم تھا

فسونِ غرب سے بننے لگی تھی افسانہ
وہ زندگی جو کسی روز اک حقیقت تھی
ہر ایک کام پہ تشکیک کے اندھیروں میں
تجھ ایسے مردِ حقِ آگاہ کی ضرورت تھی

قیامِ مجلسِ آئین ہو یا نویدِ حقوق
ہر ایک شے میں ہیں خواب آوری کی تاثیریں
کہیں تمدن و تہذیب و فلسفہ کا فسوں
کہیں وقارِ شہنشاہیت کی زنجیریں

نفس نفس ترے افکار کی حرارت نے
عروقِ مردۂ مشرق کو زندگی بخشی
ترے پیام نے بے مایہ ارضِ خاور کو
متاعِ خود نگری و خود آگہی بخشی

لہو سے اپنے کیا تو نے سرخ رو فن کو
شعور و فکر کے گلشن میں ہے نمو تجھ سے
نگاہِ اہلِ نظر میں فزوں ہوئی اقبال
ادب کی اور ادیبوں کی آبرو تجھ سے

تو ارضِ شرق کا شاعر بھی ہے مفکر بھی
ہے اہلِ شرق پہ احساں تری حکمت کا
درست نکلی ہیں سب پیش بینیاں تیری
زمانہ کیوں نہ ہو قائل تری بصیرت کا

نشانِ منزلِ مقصود بھی دیا تو نے
سکھائے تو نے ہی آداب تیز گامی بھی
پیام میں ترے تاثیر کیوں نہیں ہو گی
ترا پیام ہمہ گیر ہے دوامی بھی

نوحۂ اقبال

ملک منظور حسین منظور

کس قدر درد آفریں ہے شاعر مشرق کا غم
روز محشر سے نظر آتا نہیں یہ روز کم
بن گئے ہیں سر بہ سر کاشانۂ رنج و الم
کابل و ہندوستاں، مصر و عرب، روم و عجم

فرطِ غم میں گلشنِ اسلام ہے پامال آج
سو گیا ہے امتِ مرحوم کا اقبال آج

کون اب تازہ کرے گا آتشِ عشقِ حجاز
کون بخشے گا دلِ عشاق کو سوز و گداز
اب کہاں دیکھے گی چشم غزنوی، حسنِ ایاز
کون سمجھائے گا اس کو معنیٔ ناز و نیاز

درد بن کر درد کی کھینچے گا اب تصویر کون
عشق بن کر اب کرے گا عشق کی تفسیر کون

اٹھ گیا دنیا سے میر کاروانِ زندگی
جس کے دم پر ناز کرتا تھا جہانِ زندگی
جس کی ہمت سے کھلے سر نہان زندگی
جس نے آساں کر دیا تھا امتحان زندگی

جس کا ہر ایک حرف تھا آئینہ دارِ کائنات
جس کا ہر اک لفظ تھا گنجینۂ رازِ حیات

آہ پنہاں ہو گیا دنیا سے وہ دانا راز
پیکرِ مشرق میں تھا جس کی نوا سے سوز و ساز
ذوقِ پروازِ تخیل جس کا تھا شاہیں نواز
جس کے اندیشے میں تھی اک گرمی آہن گداز

آتشِ ازل تھی شوخیٔ تحریر میں
گرمیٔ ذوقِ عمل تھی نالۂ شبگیر میں

آہ اقبال

عبدالقیوم خان باقی

مل گیا خاک میں اب علم و عمل کا رہبر
اٹھ گیا دہر سے اسلام کا بیدار نظر

اس کی آواز میں اک درد بھرا رہتا تھا
زخم دل اس کی صداؤں سے ہرا رہتا تھا

آج قدرت کے ارادوں کا مفکر نہ رہا
جس کی مٹھی میں دل و جاں تھے وہ ساحر نہ رہا

اب نظر ز آئے گا ہم کو جمال نغمہ
مٹ گیا عالم فانی سے کمالِ نغمہ

چشم انجم کے اشارے کوئی دیکھے تو سہی
حسنِ مطلق کے شرارے کوئی دیکھے تو سہی

آسماں شوخیٔ بیباک سے محروم ہوا
اور جہاں نغمۂ افلاک سے محروم ہوا

شعر سے تازگی قطرۂ شبنم پیدا
اس کی ٹھنڈک سے تصور میں تھا اک غم پیدا

محفلِ علم میں اب شعر کا اعجاز کہاں
نغمۂ انجم تاباں کا نوا ساز کہاں

آہ! اسلام کی دولت کے لٹانے والے
آہ! ظلمت میں نئی راہ دکھانے والے

آہ! وہ شمع کہ جو عشق کی محفل میں نہیں
آہ! وہ موج کہ جو حسن کے ساحل میں نہیں

جب عرب اور عجم پر تو عیاں ہوتا ہے
تجھ پہ ایک برقِ تجلی کا گماں ہوتا ہے

میں تجھے خاک کی آغوش میں پاتا ہی نہیں
میں تجھے تنگ فضاؤں میں گنواتا ہی نہیں

تو ہے اس وسعت جاوید میں سرگرم سفر
جو شب و روز تری فکر کے تھی پیشِ نظر

انجم و خاور و مہتاب ہے منزل تیری
روح عالی ہے فرشتوں کے مقابل تیری

تیغ فاروق کے انوار دکھانے والے
فقر حیدر کو دل و جاں میں بسانے والے

پیر رومی تجھے دامن میں چھپا لیتے ہیں
عرش والے تجھے سینے سے لگا لیتے ہیں

یادِ اقبال

محمد غالب اثر

ایشیا کا فخر، مشرق کا پیمبر چل بسا
آہ! وہ اقبال، وہ مردِ قلندر چل بسا

جس کی تابش سے منور تھا جہانِ شاعری
آسمانِ شعر و حکمت کا وہ خاور چل بسا

گرم تھا دل جس کا سوز احمد مختار سے
اجتہاد و صدق و آزادی کا پیکر چل بسا

جس نے پھونکا ملت بیضا میں افسونِ حیات
زندگیٔ جاوداں کا وہ پیمبر چل بسا

ہند کے سارے جواہر جس کے آگے ماند تھے
آہ! وہ انمول، وہ لاثانی گوہر چل بسا

وہ عشق تھا جس کی نظر میں ملتوں کی زندگی
وہ محیطِ عشق الفت کا شناور چل بسا

بام پر جس نے ترقی کے چڑھایا قوم کو
عہدِ موجود کا وہ بیباک رہبر چل بسا

وہ کہ جس کی ہر نوا تجدید شانِ رفتہ تھی
سیرتِ بسطامی و بوذر کا مظہر چل بسا

نذرِ اقبال

نخشب جارچوی

چشمِ شاعر ہے اسی طرح سے اب بھی بے خواب
چھیڑتی ہے رگِ احساس کو غم کی مضراب
کوئی دیتا نہیں فطرت کے سوالوں کا جواب
روز اٹھتی ہے یونہی روے مشیت سے نقاب

کوئی اقبال سا اب دیکھنے والا ہی نہیں
"جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰؑ ہی نہیں"

آج وہ گرمیٔ محفل کسی محفل میں نہیں
موجیں بیتاب ہیں جنبش لبِ ساحل میں نہیں
اب کوئی رہبر کامل رہِ منزل میں نہیں
شاید اس کا کوئی احساس کسی دل میں نہیں

تجھ میں آیا تھا جو دنیا نئی دنیا لے کر
"اب اسے ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر"

اب وہ تحریر میں اقبال کا انداز کہاں
سرمدی سوز میں ڈوبی ہوئی آواز کہاں
کیف اشعار میں وہ نظم میں اعجاز کہاں
تار ہی ٹوٹ گئے ساز کے تو ساز کہاں

روح بیتاب ہے اردو کی مچلنے کے لیے
"طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے"

پردۂ شعر میں تصویر حقیقت رکھ دی
طاق نسیاں پہ وہ فرسودۂ حکایت رکھ دی
سامنے قوم ہی کے قوم کی قسمت رکھ دی
قالب ِشعر میں روحِ فن و حکمت رکھ دی
مشعلِ نور اندھیرے میں جلائی کس نے
"بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے"

نظم تخلیق میں خود داریٔ دنیا کیا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ تماشا کیا ہے
میں ہلاکِ غم امروز ہوں فردا کیا ہے
مجھ سے کیا پوچھتے ہو میری تمنا کیا ہے
مرگِ اقبال سے وہ رنج و محن ہے مجھ کو
"شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو"

اقبال

تصدق حسین خالد

مرگ نے بھینچ لیا تیرے تنِ خاکی کو
تو مگر مر نہ سکا
قبر تیرے لیے آغوش کشا بیٹھی ہے
مرگ سمجھی تری منزل ہے یہی
ان ستاروں سے پرے اور بھی دنیائیں ہیں
اسے معلوم نہ تھا
مرگ خود شہپر پرواز بنی
روح بیباک نے "خورشید کا سامانِ سفر تازہ کیا"
راہ تکتی ہی رہی قبر کہ اب آتا ہے
کتنی افسردہ ومایوس ہے قبر
قبر کی منزل تاریک ترا مسکن ہو؟
تو کہ "روشن ہے جبیں" تیری ستاروں کی طرح
بے خبر تھی ترے جوہر کی نواتابی سے
گرمئ عشق نے کی تیرے وہ مشعل روشن
جس کے شعلے کی لپک ہے ابدیت بکنار
مرگ بیٹھی ہی رہے گی ترے مرقد کے حضور
تو چمکتا ہی رہے گا سرِ دامانِ سحاب!

علامہ اقبال

عظیم حیدر آبادی

اے کہ تیرے دم سے تھی آرائش بزم سخن
گرم تھا تیرے سبب سے عرصۂ رزم سخن

تو نے کھولے دہر پر اسرار آئینِ حیات
ملک وملت کے لیے تھی ابر رحمت تیری ذات

شاعری میں تو نے برپا کر دیا اک انقلاب
تیرا اک اک شعر ہے اسرارِ فطرت کی کتاب

تیری شمع شعر کو دنیا بجھا سکتی نہیں
اے مسیح وقت! تجھ کو موت آسکتی نہیں

شاعری میں تو نے اک ہیجان پیدا کر دیا
دل کے داغوں کو خیالوں میں ہویدا کر دیا

شاعری تیری ہے سر تا پا پیام زندگی
تو نے سمجھایا ہر اک شے ہے غلام زندگی

مشرقی انداز بھی ہے مغربی انداز بھی
شاعری میں تیری پنہاں سوز بھی ہے ساز بھی

میکدہ میں ہند کے تجھ سا کوئی ساقی نہیں
فلسفے کے جام بھرنے کو کوئی باقی نہیں

ہائے! اے اقبال تیری ذات تھی فخرِ وطن
تجھ سے زندہ تھا گلستانِ ادب، باغِ سخن

نقشِ عظمت کو ترے دنیا مٹا سکتی نہیں
بھولنے پر بھی تجھے ملت بھلا سکتی نہیں

اقبال

کاوش حیدر آبادی

بزم مشرق تھی فسردہ چپ تھا ہر تارِ رباب
قصر بیداری پہ تھی چھائی تنویرِ خواب

تھے بھیانک خاک کی دھندلی جبیں کے خدوخال
ڈھل رہی تھی رات کے سانچے میں صہبائے جمال

تیرگی ہی تیرگی تھی شمع درخشاں تھی اداس
حسن کا رنگیں تبسم ہو چکا تھا نذرِ یاس

مضطرب تھی سینۂ گیتی کی روح تابناک
سر بہ معمورۂ تاریک تھی تعمیرِ خاک

عشق کے مفہوم سے واقف نہ تھی یہ کائنات
مہر و مہ کی شب فروزی میں نہ تھی پہلی سی بات

سو رہی تھی قلزم ہستی میں فوجِ ارجمند
راز انوارِ خودی سے بے خبر سیل بلند

گرچہ تھیں اک نالۂ توفیق کی انگڑائیاں
آہ تھیں وہ بھی مگر محوِ فلک پیمائیاں

اس فضائے درد میں آئی وہ آوازِ گداز
لوحِ مشرق مسکرائی جاگ اٹھے خاک باز

نزہت و انوار کی زلفیں بھی لہرانے لگیں
بدلیاں رقصِ خودی کی دہر پر چھانے لگیں

عشق کے ماتھے پہ نورانی پسینہ آگیا
حسن ساحل کے قریں دل کا سفینہ آگیا

بے خودی کی چاندنی میں سرسراتا تھا جلال
چہرۂ ہر مرد مومن پر تھا احساس جمال

ناشناسی کی شعائیں منتشر ہونے لگیں
جہل کی کافر ہوائیں منتشر ہونے لگیں

زندگی کی نبض میں رقصاں ہوا خونِ بہار
جی اٹھا ہر طرف رنگ و بو، برنگِ برق کار

آسماں والوں میں بھی ہونے لگی کچھ قیل و قال
عرش بھی ہلنے لگا تھرا گئی ارضِ جمال

ایک دنیا نے کہا آوازۂ یزداں شکار
ایک دنیا نے کہا فطرت کے باغی کی پکار

کوئی بولا سچ تو یہ ہے نغمۂ جبریل ہے
نغمۂ جبریل کیا ہے؟ صور اسرافیل ہے

درحقیقت وہ ہے اک ٹوٹے ہوئے دل کا سرور
سوز میں ڈوبے ہوئے الہام کا حسن صعود

یادِ اقبال

معین الدین بزمی

آہ اے اقبال آتی ہے تیری یاد آج بھی
سونے والوں کو جگاتی ہے تری یاد آج بھی

وسعت افکار کو رنگیں فضائیں بخش دیں
زندگی کو مسکرانے کی ادائیں بخش دیں

احساس کے ہوتے ہوئے مظلوم رہے ہیں
توحید کی مے پی کے بھی محکوم رہے ہیں

اے نورِ نظر جب تو مرے ہند میں جائے
اور میری ملاقات کے حالات سنائے

اس سوتی ہوئی قوم کو ٹھوکر سے جگانا
اور درد بھری لے میں یہ پیغام سنانا

جب تک نہ خس و خار غلامی کو جلاؤ
جب تک در مشرق پہ نہ مغرب کو جھکاؤ

جب تک نہ قفس توڑ کے صیاد پہ لپکو
برچھوں کے لیے ہر ستم ایجاد پہ لپکو

اس وقت تلک صاحب ایمان نہیں تم
ایمان تو اک سمت مسلمان نہیں تم

یہ کہہ کے مجھے آپ سوئے خلد سدھارے
میں تھام کے دل بیٹھ گیا درد کے مارے

مسجد قرطبہ کی واپسی

سیّد غلام کنانی

ہے نگہ اشتیاق محو تماشائے ذات
توڑ دیے عشق نے، عقل کے لات و منات
عشق ہے فتح مبیں، عشق ہے نور یقیں
عشق غیور و متیں، عشق ہے صبر و ثبات
عشق کا سوز نفس، گرمیٔ بازار شوق
عشق کا اشک رواں، دجلہ و نیل و فرات
کوہ کن و قیس ہیں، بندۂ بے دام عشق
عشق رئیس الکرام، عشق امیر الثقات
عشق ہے مہر منیر، عشق سے روشن ہوئی
تیرہ و تاریک تھی، انجمن کائنات
جنبش ابروئے عشق، جنبش بال قضا
فتنۂ یوم نشور، عشق کی ادنیٰ سی بات
مٹ گئی اک آن میں، کشمکش جسم و جاں
اٹھ گیا اک آن میں، پردۂ ذات و صفات
وسعت دشت طلب، عشق کو فردوس جاں
نیش غم جاوداں، عشق کو شاخ نبات
مرحلۂ عشق میں خار الم گل بدوش
میکدۂ عشق میں زہر ہے آب حیات
عشق کی تقدیر ہے، آتش و خوں، دار و گیر
عشق کو پیش آئے ہیں ایسے بہت سانحات

عزم و عمل کے لیے کچھ نہیں ارض و سما
عزم و عمل کے لیے کچھ نہیں یہ شش جہات
زیر قدم آگیا، خیمۂ عرش بریں
ہو گئی ہے ریز ریز، شیشہ گہ ممکنات
میرے جنوں کا صلہ، مملکت تحت و فوق
عقل زیاں کوش ہے، میرے جنوں کی زکات
مجھ پہ ہوئے منکشف، لوح و قلم کے رموز
پوچھ لے مجھ سے کوئی راز حیات و ممات
شاطر تقدیر نے چال کچھ ایسی چلی
دیکھتے ہی دیکھتے کھا گئی تدبیرمات
کتنے دنوں پر ملا، عشق کو اذن سجود
پھر وہی جوش اذاں، پھر وہی لطف صلات
چشم تماشا میں ہے حسن سراپائے دوست
سامعہ افروز ہے لذت آوائے دوست

(۲)

قافلۂ وقت ہے، گرم رو و تیز گام
کس کے لیے ہے قعود، کس کے لیے ہے قیام
کمترک از برگ خشک، کمترک از ریگ دشت
وقت کے صحرا میں یہ شام و سحر کے خیام
وقت کے دریا کی موج، جوشش طوفاں بدوش
وقت کا ساحل نہیں، اس کا نہیں ہے مقام

وقت کے تیشہ سے آب، زہرۂ فولاد و سنگ
کوشک و ایوان و کاخ، قصر و در و سقف و بام
وقت کی تیغ اصیل، وقت کی شمشیر تیز
بے جگر و بے خطر، بے خبر و بے نیام
وقت کے محکوم ہیں، قیصر و خاقان و میر
خواجہ و شاہ سپاہ، وقت کے ادنیٰ غلام
وقت سکوں ناشناس، وقت ہے شورش اساس
وقت کا رہوار ہے، تند رو و بے زمام
مرغ بلند آشیاں، اس کا اسیر فریب
وقت کا صیاد ہے، تیز نگہ تنگ دام
وقت کے بعد میں، سب محوِ رکوع و سجود
وقت کے سب مقتدی، وقت ہے سب کا امام
کس کو ملی ہے یہاں، رخصت اظہار شوق
کس کو ملی ہے یہاں، فرصت عیش دوام
خواب پریشاں سے کم، آرزوئے دل نہیں
خواہش عیش دوام، ایک تمنائے خام
وقت کی اک آن ہیں، ماضی و فردا و حال
وقت کی اک شان ہے انجمن صبح و شام
وقت عظیم و جلیل، وقت محیط و بسیط
وقت کو کچھ مت کہو، یہ ہے کسی کا پیام

وقت ہے درمان درد، وقت دم گرم و سرد
وقت ہی خود زخم ہے وقت ہی خود التیام
وقت نہیں بے حدود، وقت نہیں بے ثغور
اس کی بھی ہے انتہا، اس کا بھی اختتام
وقت ہے سیل رواں، عشق ہے کوہ گراں
وقت کے اس سیل کو، عشق ہی لیتا ہے تھام
عشق ازل آشنا، عشق ابد اختیار
عشق ہے دار البقاء عشق ہے دار القرار

(۳)

اب نگہ شوق میں غیب ہے عین شہود
راز کہاں رہ گیا، عالم بود و نبود
شاہد تقدیر نے رخ سے الٹ دی نقاب
پھر وہی ذکر جمیل پھر وہی گفت و شنود
عشق پہ تیری بنا، عشق سے تیرا خمیر
ہے یہی ذات دوام، ہے یہی راز خلود
نقش ترا لازوال، نقش ترا بے مثال
کام تو کچھ کر گیا، عشق کا ذوق نمود
جس کے تھے قلب و نظر، جلوہ شناس ازل
تھا وہ یقیناً ترا، نقش طراز وجود

جس کے ہنر نے کیے جمع بہ حسن و کمال
کسوت تہذیب کے بکھرے ہوئے تار و پود
جس کو بہا لے گیا ساحل مقصود تک
لطمۂ بحر عطا، موجۂ دریائے جود
جس کی امیری سے تھا حسن فقیری عیاں
جس کی نگاہوں میں ہیچ، خوف زیاں، شوق سود
راز کے بند قبا، کھل گئے اک آن میں
عقدۂ مشکل کی تھی جس سے کشاد و کشود
اس کی نگہ دلکشا، اس کی ادا حق نما
کتنے ہی فتنے اٹھے، زیر سپہر سجود
بزم گہہ ناز میں، جلوہ فزائے کرم
رزم گہ کار میں، ہوش ربائے جنود
زورق و طوفاں شکن، مرد و زن و جاں شکن
قیصر و خاقاں شکن، اس کا دم و درود
جس کا خیال و عمل، باعث تجدید شوق
جس سے کہ توڑا گیا مغربیوں کا جمود
خلوت و جلوت میں تھا نقش گر صد یقیں
اس کا قیام و قعود، اس کا رکوع و سجود
اس کا امین عطا شاہد تہذیب و فن
اس کی رہین کرم، کارگہ دیر و زود

کتنے دنوں تک رہا، ساز نوا بے خروش
کتنے دنوں تک رہی محفل جاں بے سرود
اک نئے عنوان سے جشن بہاراں ہوا
جشن بہاراں ہوا، رقص نگاراں ہوا
تیرے ہر اک سنگ میں نور دل جبرئیل
تو ہے عدیم النظیر، تو ہے عدیم المثیل
تیری ہر اک خشت میں خون رگ دلبری
تیرا ہر اک پیچ و خم، رقص گہ سلسبیل
منبر و محراب و در، یہ ترے نقش و نگار
مصدر خیر کثیر، مرکز اجر جزیل
تیری بلندی سے پست، رفعت چرخ بریں
تجھ سے ہوا فرش خاک کتنا عظیم و جلیل
جن کی بہاروں سے فاش، راز بہار ارم
تیرے وہ گلزار و باغ، تیری وہ کشت نخیل
حکمت تعمیر کو تجھ سے ملی آب و تاب
حکمت تعمیر کا تیری نہیں ہے عدیل
وسمۂ ابروئے زیست ہے تیرا دود چراغ
تیری کف خاک سے دیدۂ مغرب کحیل
شمع رہ دین نبی، ظلمت مغرب میں تو
علم و ہنر کے لیے تیری بنا سنگ میل

مجھ کو ہے معلوم تھا کون وہ آذر ترا
آہ وہ فرد فرید، آہ وہ مرد نبیل
مرحلۂ حق میں تھا صبر و رضا کا نقیب
جس سے ہوا آشکار سرِّ ذبیحؑ و خلیلؑ
اس کا عمل، اس کا عزم، اس کا چشم، اس کا حزم
چشم جہاں کے لیے ایک کتاب الدلیل
جس کی زرہ لا الہ جس کی پنہ لا الہ
جس کے لیے کچھ نہیں تیغ و سناں اسپ و فیل
عرصۂ پیکار میں قلزم زخار میں
کچھ نہ رہا کیف و کم، کچھ نہ رہا قال و قیل
بن گیا مضراب جاں، بن گیا مہمیز شوق
اس کے قلم کا صریر، اس کے فرس کا صہیب
بندۂ مومن کی روح تجھ سے ہے پرتو فشاں
وہ سبھی نہیں مستحیل، تو بھی نہیں مستحیل
پھر ہے وہی رستخیز، پھر ہے وہی شور ستیز
تازہ نہ ہو جائے پھر قصہ فرعون و نیل
ضرب کلیمی بھی ہے اور یدبیضا بھی ہے
ساحرِ عصر جدید تو نے یہ دیکھا بھی ہے؟

(کلام اقبال)

رباعیات

رضا مظہری

سرمایۂ عرفان ہے کلام اقبال
افکار کی مے سے پر ہے جام اقبال
جب تک کہ زمانے میں ہے اردو باقی
مٹنے کا نہیں کبھی بھی نام اقبال

اقبال کے گلشن میں وہ رنگینی ہے
دنیا کی نگاہ محو گل چینی ہے
جو شاعر ملت اسے کہتے ہیں رضا
نافہمی نہیں یہ ان کی کم بینی ہے

اقبال کے فکر و فن میں خلاقی ہے
باقی ہے کلام اس کا وہ خود باقی ہے
محدود کرو نہ ملک و ملت میں اسے
وہ شاعرِ مشرق نہیں آفاقی ہے

وہ رند خراباتی ایماں اقبال
وہ سالک جادہ ہائے عرفاں اقبال
آواز میں اس کی درد انسانی ہے
ہے عظمت آدم کا حدی خواں اقبال

شاعر امروز شاعر فردا

علقمہ شبلی

جس نے چھیڑ مشرقی لے زندگی کے ساز پر
احترام آدمیت کا سبق جس نے دیا
جس نے اسرارِ خودی سے آشنا ہم کو کیا
تھی رموزِ بے خودی سے بھی پرے جس کی نظر
جس کے مینائے غزل میں ہے شراب آگہی
جس کا اک اک لفظ ہے بہرِ جہاں ضرب کلیم
جس نے دکھلایا بشر کو جادہ فتح عظیم
جس کے پائے عشق پر خم ہے جبینِ آزری

شاعری ہے اس کے اعجاز بیاں کا ایک نام
زندگی ہے اس کی تعمیرِ جہاں کا ایک نام

اس نے دنیا کو دیا درس عمل درس حیات
شاعری اس کی ہے روح افزا بھی جاں افروز بھی
زندگی آمیز بھی اور زندگی آموز بھی
اس کے افکار و تخیل کا ہے محور کائنات
شعر اس کے گویا ہیں بحرِ معانی کے گہر
فکر وفن پر اس کے نازاں ہے نگارِ شاعری
گلشنِ دل میں اسی سے ہے بہارِ شاعری
اس کا اک اک لفظ ہے مہتاب سے تابندہ تر

کیا کہیں اقبال کیا ہے کیا نہیں ہے دوستو
شاعرِ امروز سمجھو، شاعرِ فردا کہو

مطبوعہ "زبان وادب" اگست ۷۵ء

آہ اقبال

"ماہر نبضِ کائنات نہیں"

واحد پریمی

ایک انسان
کہ جس کی فطرت پر
آدمیت نثار ہوتی تھی
ایک رہبر
کہ جس کے نقشِ قدم
مشعلِ شاہراہ ہوتے تھے
اک مقرر
کہ جس کی ہر اک بات
ذہن و دل کو جھنجوڑ دیتی تھی
اک مفکر
کہ جس کی فکرِ بلند
ساتویں آسماں کو چھوتی تھی
ایک شاعر
کہ جس کا ہر اک شعر
ترجمانِ حیات ہوتا تھا
یعنی اقبال باصفات نہیں
ماہر نبضِ کائنات نہیں

اقبال سے.................

حکیم احمد حسن صبوحی بستوی

وہ عہد رفتہ کہ سحر فرنگ مشرق میں
بچھا رہا تھا طلسم شب گراں خوابی
حرم تھا لذت سوز دروں سے بیگانہ
بھلا چکے تھے جوان فطرت جہانتابی
تھی ذرہ ذرہ پہ طاری اجل کی خنکی سی
تڑپ نہ دل میں نہ آنکھوں میں اشک عنابی
نگاہ تھی نہ کوئی رمز آشنائے طلب
فسردہ ذوق تمنا شکستہ پائے طلب
تری نواؤں نے بخشا حرم کو سوز حیات
تری صداؤں میں پنہاں تھی ساز دل کی کشود
تری نگاہ نے توڑا طلسم سحر فرنگ
عطا کیا ترے نغموں نے دل کو ذوق نمود
وہ ساز چھیڑ دیا تو نے بزم مشرق میں
کہ فاش تر تھا زمانے پہ راز غیب و شہود
بھڑک چکا تھا جوانوں میں شعلہ بے باک
ابھی ہوا نہ تھا ہمدوش خواجہ افلاک
کہ تو نے اپنی نواؤں کا ساز توڑ دیا
بھنور میں کشتی مشرق تھی ساتھ چھوڑ دیا

اقبال۔شاعرِ اعظم

محمد نعیم صبا

عمل کے جوش سے سینوں کو بھر دیا جس نے
دماغ و دل کے دریچوں کو وا کیا جس نے
زماں مکاں کی حدوں میں جو قید رہ نہ سکا
حصارِ ذات کی محدودیت جو سہہ نہ سکا
وطن کے غم سے جو رہتا تھا رات دن بے کل
جو فکرمند رہا قوم کے لیے ہر پل
وہ جس کے نام پہ رہتی ہے دھوپ آٹھ پہر
کلام جس کا دکھاتا ہے سحر خیز اثر
جہاں سے کوچ کیا جس نے پھر بھی ہے زندہ
ہے جس کا فلسفہ زندگی بہت گہرا
تھی نظیر زمانے میں جس کی دیدہ وری
خودی کو جس نے بتایا جہاں میں چیز بڑی
خدا نے جس کو بنایا عظیم فرزانہ
خرد نے جس کو عطا کی نظر حکیمانہ
خدا کو بندوں سے یوں جس نے ہم کلام کیا
جوابِ شکوہ میں ہر شکوے کا جواب دیا
وہ جس کا حسنِ تخیل تھا زینتِ افلاک
نثارِ جس کے سخن پر تھی رفعت افلاک
جو فکر و فن کا تھا لاریب ماہر اعظم
وہ فخرِ ہند ہے اقبال — شاعرِ اعظم

اقبال شاعرِ گردوں وقار

شاہد کلیم

صف بر صف الفاظ ہیں معنیٰ قطار اندر قطار
صفحۂ قرطاس پر فطرت کے جلوے آشکار
تھا لبوں پر تیرے شکوہ بھی جوابِ شکوہ بھی
ورنہ دنیا میں شکایت کا کسے ہے اختیار
منکشف تو نے کیے عالم پر اسرارِ خودی
ماورا تخیل تیرا، فکر تیری شاہکار
تیرے شاہیں کے پرِ پرواز میں تھا دم بہت
آسماں پر اس نے دیکھے تھے جہان بے شمار
جس قدر فکر و تدبر کرتے ہیں اہلِ نظر
اور بڑھتا جا رہا ہے تیرے شعروں کا وقار
انقلاب انگیز آزادی کے نغموں سے ترے
گونجتے ہیں عالم مشرق میں دشت و کوہسار
دل فسردہ تھا ترا دہقاں کے حالِ زار پر
ایک تھے تیری نظر میں خرقہ پوش و تاجدار
دعوتِ فکر و نظر-بانگِ درا، ضرب کلیم
شعر و فن کے واسطے طرز سخن تیرا عیار
شاعری تیری ہے گویا فکر و معنی کا طلسم
مرحبا، صد مرحبا اے شاعرِ گردوں وقار
تو اسی صورت سے یاد آتا رہے گا صبح و شام
رہتی دنیا تک رہے گی چشم عالم اشکبار

اقبال کا پیغام

شاہد ساگری

برساتی تھی کل رات مری آنکھ ستارے
ہونٹوں پہ مچلتے تھے غضبناک شرارے

جاں حدِ افکار سے گبھرائی ہوتی تھی
اِک آگ کی آندھی تھی کہ لہرائی ہوئی تھی

نشتر سے چبھوتا تھا کوئی قلب و جگر میں
اقبال کی بے وقت جدائی تھی نظر میں

اے میں سیہ فام گھٹا جھوم کے آئی
اقبال کے جنت میں قدم چوم کے آئی

چلنے لگیں خوابوں کے جزیرے کی ہوائیں
ہونٹوں میں لیے قلقلِ مینا کی صدائیں

شاعرِ مشرق یہ تیرا زورِ "بالِ جبریل"
دہر کے آتش کدے میں جیسے گلزارِ خلیل

اللہ اللہ یہ ادائے قوت "ضربِ کلیم"
ہو گیا پیدا مزاجِ عشق میں ذوقِ سلیم

تو نے چھیڑا جھوم کر جب نغمۂ "سازِ عجم"
زندگی میں آگیا اک کیف پرور زیروبم

زندۂ جاوید ہے "جاوید نامہ" بھی ترا
کس قدر ہے کاشفِ اسرار خامہ بھی ترا

کھول کر اسرارِ فطرت کے خزانے رکھ دیے
گیسوئے اُردو پہ تُو نے کتنے شانے رکھ دیے

ترے روشن کارنامے سے کیا حیات افروز ہیں
روشنی میں جن کی ہم ارتقا آموز ہیں

دیکھ اے اپنی صدی کے حافظ و خیام دیکھ
کتنے شاعر پی رہے ہیں آج تیرا جام دیکھ

درد سے انسانیت کے بیخود و سرشار ہوں
میں بھی تیرے میکدہ کا ایک بادہ خوار ہوں

شاعرِ فطرت

شاہد ساگری

--- مرگ طاری ہو رہا تھا قوم پر اپنی
زمانہ ضربِ کاری ہو رہا تھا قوم پر اپنی
مسلم اپنی بداعمالیوں سے خود پریشاں تھے
زوالِ قوم کے آثار ہر جانب نمایاں تھے
دلوں سے عظمتِ قرآں کو سب نے بھلایا تھا
رسول اللہ کے فرمان کو سب نے بھلایا تھا
عجب حالت مسلمانوں کی تھی شیطان ہنستا تھا
ہمارے حال پہ ابلیسِ نافرمان ہنستا تھا
خدا کا پاس تھا ہم کو نہ پاس مصطفیٰ ہم کو
نظر آتی نہیں تھی راہِ تسلیم و رضا ہم کو
بھلا بیٹھے تھے ہم ہر حال میں فرمانِ باری کو
کہیں ملتی نہ تھی تسکیں ہماری بیقراری کو
وہ جس نے قوم کو اس خوابِ غفلت سے جگایا ہے
وہ جس نے شوکتِ اسلام کا نغمہ سنایا ہے
وہ جس نے کرگس و شاہیں کے افسانے سنائے ہیں
وہ جس نے کارنامے دینِ احمد کے دکھائے ہیں
وہ جس نے داستاں دہرائی اسلامی دلیروں کی
وہ جس نے حوصلہ افزائی کی خوابیدہ شیروں کی

وہ جس نے حب قوم و ملک کے افسانے دہرائے
وہ جسؒ نے کائناتِ زندگی کے راز بتلائے
وہ جس نے قوم کو شان رسول اللہ دکھلائی
وہ جس نے قوم کی اس ڈوبتی نیا کو تیرائی
وہ جس نے شان ملت اہل عالم کو دکھائی ہے
وہ جس کی آج بھی چاروں طرف مدحت سرائی ہے
وہ جس نے شکوہ لکھا ہے جواب شکوہ لکھا ہے
وہی تو ہے آج بھی عالم میں جس کا نام اونچا ہے
متاعِ شاعری سے جس کو مالا مال کہتے ہیں
وہ شاہد شاعر فطرت جسے اقبال کہتے ہیں

نذرِ عقیدت

بحضور حکیم مشرق علامہ اقبال

ضیاہانی

کشورِ شعر و ادب پر حکمرانی جس نے کی
ایشیا کے درد دل کی ترجمانی جس نے کی

شرق سے تاغرب جس کی شاعری کی دھوم ہے
شاعرانہ جس کی عظمت آپ کو معلوم ہے

جو وطن کا ہے حقیقی شاعر جادو بیاں
کر رہی ہے ناز جس پر آج بھی اردو زباں

آنے والے دور کا آئینہ ہے جس کا کلام
جلوہ فرما جس میں مستقبل کا "جمہوری نظام"

کم نہیں تیغ سلف سے جس کی شمشیر زباں
نقش ہر دل پر ہوا ہے جس کا اندازِ بیاں

جس کی ذاتِ بے بہا میں تھیں ہزاروں خوبیاں
روپ میں جو تھا قلندر کے، خدا کا راز داں

جس کے اک اک نظم میں پنہاں خودی کا راز ہے
جس کے اعجازِ سخن پر، ایشیا کو ناز ہے

جس نے اسرار و معارف کا کیا ہے انکشاف
گفتگو کی جس نے شکوے میں خدا سے صف صاف

راز جس نے فاش، پستی اور ذلت کا کیا
"مرد مومن" اپنے ہونے کا نشاں جس نے دیا

جو بظاہر ہے نگاہِ اہلِ دنیا سے نہاں
ہو گئی لیکن اسے حاصل حیاتِ جاوداں

جان و دل سے ہم نہ کیوں اس پر کریں سب کچھ نثار
کیوں نہ ہم قائم کریں اک غیر فانی یادگار!

جس نے زندانِ غلامی سے نکالا آپ کو
منزلِ مقصود کا رستہ دکھایا آپ کو

خود شناسی کا سبق ہر فرد کو جس نے دیا
فلسفہ مرنے کا بھی جینے کا بھی واضح کیا

جس نے رکھ دی کھینچ کر اشعار میں تصویرِ قوم
جس کے نغموں نے بدل دی ہند میں تقدیرِ قوم

جس نے بنیادیں ہلا دیں قصرِ استبداد کی
کی حمایت جس نے ہر مظلوم و ناشاد کی

ایشیا تو ایشیا یورپ ہے جس کا قدر داں
اپنا تو اپنا پرایا بھی ہے جس کا مدح خواں

جشن صد سالہ اسی مشرق کے شاعر کا ہے آج
پیش کرتا ہے 'ھما' حسن عقیدت کا خراج

آنکھوں نے خنک جھونکوں کو شرما کے صدا دی
کچھ نیند کی باقی ہے یا ساری لنڈھا دی

جھونکوں نے تھپک کر مجھے زانو پہ سلایا
اور بہکی ہوئی لے میں کوئی راگ سنایا

اس راگ کی بدمست جوانی میں سما کر
آنکھوں کے جھپکتے ہی میں جا پہنچا فلک پر

کیا دیکھتا ہوں نور کے دریا کے کنارے
بیٹھے ہیں جواں چین سے تکیوں کے سہارے

ہر سمت نظر آتا ہے مہکا سا ترنم
ہر سمت چھلکتا ہے نشیلا سا تبسم

ہر ساز میں نغمات کی مے جھوم رہی ہے
ہر آنکھ میں بدمست ادا گھوم رہی ہے

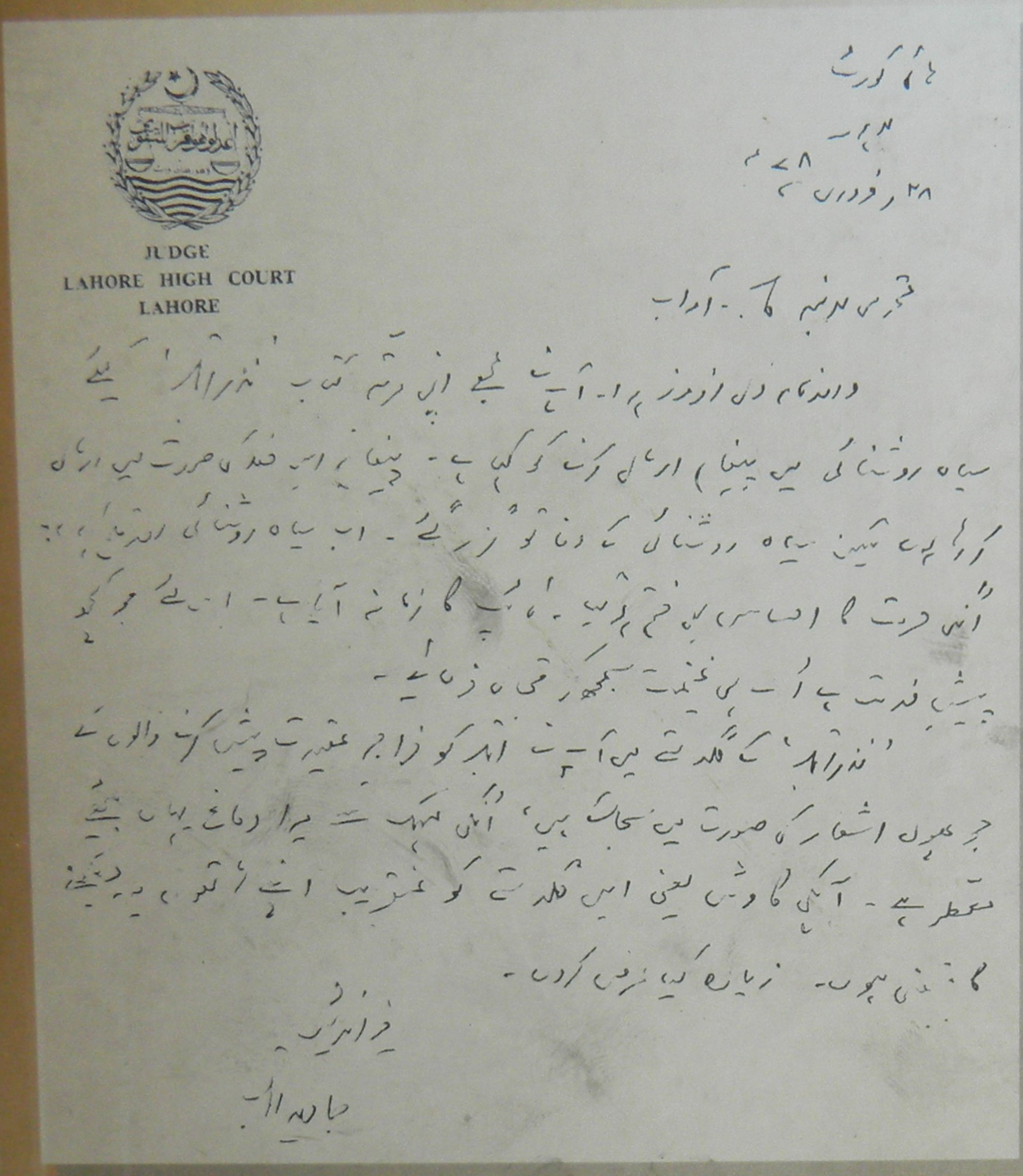
پھولوں کے جو بستر ہیں تو کلیوں کی ردا میں
اک نیند سی برساتی ہیں مخمور ہوائیں

ہونٹوں پہ لیے وصل کی راتوں کی کہانی
پیمانہ بکف پھرتی ہیں حوروں کی جوانی

کتنے نغموں سے ہوا معمور تیرے دل کا ساز
درد کا انداز تجھ میں میر کا سوز و گداز

یہ "رموزِ بے خودی" وہ رنگ "اسرارِ خودی"
لہلہا اٹھا ترے نغموں سے گلزارِ خودی

اک حور سے ڈر ڈر کے کہا میں نے جواں سال
اس وقت کہاں ہوں گے بتا حضرت "اقبال"



JUDGE
LAHORE HIGH COURT
LAHORE

ہائی کورٹ
لاہور
۲۸ فروری [illegible]

محترمی لامبہ صاحب۔ آداب

[illegible] دل افروز ہوا۔ آپ نے مجھے اپنی تازہ کتاب "نذرِ اقبال" کے لیے سیاہ روشنائی میں پیغام ارسال کرنے کو کہا ہے۔ پیغام اس فقرے کی صورت میں ارسال کر رہا ہوں کہ [illegible] سیاہ روشنائی کے دن تھوڑے رہ گئے۔ اب سیاہ روشنائی [illegible] [illegible] کا احساس بھی ختم ہو رہا ہے۔ [illegible] کا زمانہ آ گیا ہے۔ اسے جو کچھ پیشِ خدمت ہے اُسے ہی غنیمت سمجھ کر قبول فرمائیے۔

"نذرِ اقبال" کے گلدستے میں آپ نے اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرنے والوں کے جو پھول اشعار کی صورت میں سجائے ہیں، اُن کی مہک سے میرا دماغ یہاں بیٹھے معطر ہے۔ آپ کی کاوش یعنی اس گلدستے کو عنقریب اپنے ہاتھوں میں دیکھنے کا متمنی ہوں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

فقط
مخلص
جاوید اقبال



سرجیت سنگھ لانبہ ہندو پاک میں حافظ اقبال اور عاشق رسول کے القاب سے مشہور ہیں اور علامہ محمد اقبال کی شاعری اور پیغام کے ابلاغ کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ انہیں اقبال اکادمی پاکستان کی جانب سے دومرتبہ 1980ء اور 1983ء میں یوم اقبال میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ 1989ء میں ایک بار پھر انہیں عید میلادالنبیؐ کے موقع پر دعوت دی گئی۔ اردو اکادمی دہلی کی جانب سے سرجیت سنگھ لانبہ کو ان کی لسانی یکجہتی کی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈ برائے لسانی یکجہتی برائے سال 2004ء پیش کیا گیا۔ نذر خسرو کے بعد ان کی دوسری تصنیف نذر اقبال ہے۔ جس میں انہوں نے علامہ اقبال کی خدمت میں نامور شعرا اور اہل علم کی طرف سے پیش کیے جانے والے خراج عقیدت کو جمع کر دیا ہے۔

ISBN:9789694165288
9 789694 165288

اقبال اکادمی پاکستان